کاغذی کرنسی

کی

تاریخ — ارتقاء — شرعی حیثیت

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

کاغذی کرنسی

کی

تاریخ۔ ارتقاء۔ شرعی حیثیت

ڈاکٹر نور احمد شاہتاز

فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار۔ کراچی

Kaghazi Currency
by
Dr. Noor Ahmed Shahtaz

ISBN 969-441-035-5

پیشکش و اہتمام

طارق رحمٰن فضلی

اشاعت اول: 1998ء

ناشر و طابع

فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اردو بازار۔ کراچی

تقسیم کار

فضلی بک سپر مارکیٹ

۴ ماما پارسی بلڈنگ اردو بازار کراچی

Phones: 2629720-5 Fax: 9221-2633887
Email: fazlee@cyber.net.pk

انتساب

میں اپنی اس کوشش ترجمہ کو اپنے کریم استاذ اور شفیق محسن و مربی حضرت علامہ مولانا حافظ اللہ بخش اویسی دامت برکاتہم العالیہ

اور

جامعہ الازہر مصر کے ممتاز اسکالر جناب ڈاکٹر عبد الجواد خلف

کے نام معنون کرتا ہوں جن کی خصوصی توجہات اور انتقال علم کے سلسلہ میں للہی خلوص و شفقت نے مجھ ایسے ہزاروں جہلا کی آنکھوں اور دل سے جہالت کی پٹیاں اتارنے اور پھر ان میں علم کا نور منتقل کرنے میں بتائید ایزدی کمال حاصل کیا۔

عربی زبان

کے سلسلے میں مجھے جو کچھ بھی شد بد ہے وہ انہیں دو شخصیات کی رہین منت ہے کہ بنیاد انہی نے فراہم کی۔

رب العزت

ہر دو کی عمر و صحت اور علم و عرفان میں مزید وسعتیں عطا فرمائے اور انہیں دین و دنیا کی ہر نعمت سے مالامال فرمائے (آمین) بجاہ نبیہ الکریم علیہ و علی آلہ الصلوۃ والتسلیم۔

فہرست مضامین

!

پیش لفظ

(از :۔ مترجم)

کراچی میں ایک مکتبہ ہے جسے جویان علم مجلس علمی کے نام سے جانتے ہیں' میں اپنے اساتذہ کے توسط سے نہ صرف اس مکتبہ سے متعارف ہوا بلکہ اس کے بانی نگراں و روح و جاں حضرت مولانا محمد طاسین صاحب مدظلہ سے بھی ۔ جو ایک نہایت حلیم الطبع' وسیع الخیال' عظیم المرتبہ' کثیر المطالعہ' وفیر العلم اور ضعیف الصوت مگر صحیح القول شخصیت کے مالک ہیں۔

پی ایچ ڈی کے مقالہ کی تکمیل کے سلسلہ میں میرا مجلس علمی میں آنا جانا زیادہ ہوا' مکتبہ کے کھلنے اور بند ہونے کے اوقات مقرر تھے مگر میرے لئے کوئی پابندی نہ تھی۔ جب اور جس وقت تک چاہوں بیٹھوں اور مطالعہ کروں۔ آپ نے اپنے صاحبزادوں کو یہ ہدایت فرما رکھی تھی کہ ان کے لئے اوقات کی کوئی پابندی نہیں یہ جب تک بیٹھنا چاہیں انہیں بیٹھنے دیا جائے۔ انہی دنوں ایک روز میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے ایک کتاب دکھائی جس کا عنوان تھا "الورق النقدی" **حقیقتہ' تاریخہ' حکمتہ**" اور فرمایا کہ یہ بڑی نفیس کتاب ہے۔ کاش کوئی اس کا ترجمہ کرتا تو استفادہ کرنے والوں کی تعداد بڑھ جاتی اسے عام قارئین تک اور خصوصاً طلبہ و اساتذہ تک پہنچنا چاہئے۔ میں نے کتاب کی فوٹو کاپی کرا کے رکھ لی مگر اپنے تحقیقی مقالہ کی مصروفیت کی وجہ سے ترجمہ شروع نہ کرسکا۔ پھر جونہی مقالہ مکمل کر کے جمع کرایا تو میں نے اس کا ترجمہ شروع کردیا جو پروفیسر سید محفوظ علی صاحب کے ماہنامہ آگہی (کراچی) میں قسط وار شائع ہوتا رہا۔ اس کی پہلی قسط فروری ۱۹۹۶ء کے شمارہ میں شائع ہوئی تو اہل علم نے حوصلہ افزائی کی اور اسے مکمل کرنے کا مشورہ دیا۔

الحمدللہ العزیز ترجمہ مکمل ہوا اور جناب طارق رحمان مالک فضلی سنز کے توسط سے طباعت

کے مراحل سے گزر کر اب یہ کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ دوران ترجمہ میں نے محسوس کیا کہ بعض فنی اصطلاحات ایسی ہیں جن کا استعمال بار بار ہو رہا ہے اور ہر بار ان کا ترجمہ سیاق و سباق کے لحاظ سے کرنا پڑتا ہے چنانچہ میں نے انہیں اکثر مقامات پر جوں کا توں استعمال کردیا ہے اور ایک فہرست تشریح اصطلاحات کے عنوان سے الگ سے آخر میں لگا دی ہے تاکہ عام قارئین کو مفہوم سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

علاوہ ازیں کرنسی نوٹوں کے حوالہ سے بعض فقہی مسائل کی تلخیص بھی آخر میں ضمیمہ خصوصی کے اپنی طرف سے شامل کردی ہے۔ اصل کتاب کے مصنف مملکت سعودی عرب کے ایک عالم عبداللہ سلیمان المنیع ہیں جو سعودی عرب کی گرینڈ علماء کونسل اور مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کے رکن رکین ہونے کے علاوہ مکہ مکرمہ کی کورٹ کے فاضل جج بھی ہیں۔ معاشیات کے مختلف موضوعات پر انہوں نے کئی ایک کتابیں لکھیں۔ زیر ترجمہ کتاب ان کا ایم فل کا تحقیقی مقالہ ہے۔

ترجمہ ایک مشکل فن ہے اور میرا اس میں کوئی زیادہ تجربہ بھی نہیں' میں اس کتاب کا صحیح ترجمہ کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوا ہوں اس کا اندازہ کتاب کا پہلا ایڈیشن نکلنے کے بعد ہوگا' میں قارئین خصوصا اہل علم سے ملتمس ہوں کہ وہ جہاں کہیں بھی سقم محسوس فرمائیں' اصلاح کے ساتھ مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں ایسے تمام سقم دور کردیئے جائیں اور مکمل و اکمل ہستی تو وہی ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور اصح ترین کتاب "لاریب فیہ" والی ہی ہے۔

علمی و تحقیقی کتابوں کی اشاعت میں بہت جلد نمایاں مقام پانے والا ادارہ "فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ" شکریہ کا مستحق ہے کہ اس نے اس کتاب کی اشاعت میں بڑی سرعت و دلچسپی کا مظاہرہ کیا اور اس جدید موضوع کو افادہ عامہ کے قابل بنایا۔

اللہ رب العزت ہم سے اس مختصر قیام ارضی کے دوران اپنی رضا کے کام لیتا رہے تو یہ اس کا کرم بالائے کرم ہو۔

بندہ عاجز
ڈاکٹر نور احمد شاہتاز
ابن علامہ عبدالرحمٰن مہری دہلوی ثم جھنگوی

اکتوبر ۱۹۹۷ء

استاذ' شیخ زائد اسلامک سنٹر
کراچی یونیورسٹی' کراچی

مقدمہ طبع دوم

الحمدللہ

اس کتاب کا پہلا ایڈیشن شائع ہو کر کوئی پندرہ برس ہو چکے ہیں۔ میں اس عرصہ میں کرنسی نوٹ کے بارے میں نئی تحقیقات اور علماء کی جدید آراء پر نظر رکھے ہوئے تھا اور انتظار میں تھا کہ شاید کوئی ایسی بات سامنے آئے جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب میں نہ کیا ہو اور کاغذی کرنسی نوٹوں کے بارے میں میں نے جو کچھ ان کی حقیقت و احکام کے حوالہ سے کہا ہے ممکن ہے اس میں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہو تو اس کی اصلاح و تصحیح ہو سکے۔

مملکت سعودی عرب میں گرینڈ علماء کونسل نے اس موضوع پر غور و خوض کیا اور مکمل بحث و تحقیق کے بعد ایک بیان (قرار داد نمبر ۱۰ مورخہ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ) جاری کیا جس میں ان تمام حقائق سے مکمل اتفاق ظاہر کیا گیا جو میں نے تحقیق کے بعد اپنی رائے میں ظاہر کئے تھے۔

اس طرح رابطہ العالم الاسلامی کے ذیلی ادارہ مجمع الفقہی الاسلامی نے بھی کرنسی نوٹوں کی حقیقت پر غور و خوض کیا اور آخر میں ایک بیان (بصورت قرار داد نمبر ۶ ماہ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ) جاری کیا۔ جس میں میری تحقیقات کے نتائج سے مکمل اتفاق کیا گیا اور گرینڈ علماء کونسل کے فیصلہ کی بھی توثیق و تائید کی گئی۔

میں نے اپنی اس کتاب کے متعدد نسخے اس کی اشاعت کے ساتھ ہی سعودی عرب اور بیرونی دنیا کے علماء کرام کو بھجوائے تھے۔ چنانچہ مجھے اس کتاب پر ان علماء کرام کی طرف سے تقاریظ کی ایک بڑی تعداد موصول ہوئی میں ان میں سے استاذ فاضل حضرت علامہ الشیخ مصطفیٰ الزرقاء

(اردنی) کی تقریظ کو شامل اشاعت کر رہا ہوں۔ جس میں شیخ نے کتاب کے بارے میں اپنی رائے اور اپنے ملاحظات بیان کئے ہیں۔ چونکہ حضرت کی نظر مسائل پر بڑی عمیق ہے اور آپ وسعت ادراک، دقت نظر، شمول تصور اور وضوح رائے کے مالک ہیں چنانچہ میرے لئے آپ کی تقریظ کو شامل اشاعت کرنا اور بھی باعث فخر و موجب سعادت ہے۔

میں نے جب کویت کے فقہی انسائیکلو پیڈیا کا مطالعہ کیا تو اس میں حوالہ کی بحث میں کاغذی کرنسی نوٹوں کی حقیقت پر شیخ کی تحریر پڑھ کر بہت مسرت ہوئی اور میرے دل نے کہا کاش میں اپنی کتاب کے طبع اول سے قبل یہ تحریر پڑھ پاتا، تو میں اپنی رائے قائم کرنے سے قبل فقہ اسلامی کے اس عظیم عالم و بطل جلیل کی رائے سے استفادہ کرتا، پھر میں نے تفصیلات پڑھیں تو اللہ کا شکر ادا کیا کہ اللہ رب العزت نے مجھے بھی اس نتیجہ تک پہنچایا ہے جس تک شیخ پہنچے تھے۔ خدا گواہ ہے ہم نے اس معاملہ میں نہ تو ایک دوسرے کی تقلید کی ہے نہ ایک دوسرے کی اتباع بلکہ یہ اتفاق رائے محض اس دین حق کے اصولوں کے مطابق غور و فکر، بحث و تحقیق اور دقت نظر سے مطالعہ و جستجو کے نتیجہ میں پیدا ہوا۔

میں اس مقدمہ کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتا۔ تاہم میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد و ثنا بجا لانا چاہتا ہوں کہ اس نے مجھے اس کتاب میں ایک ایسے نتیجہ تک پہنچایا کہ جو آج کرنسی نوٹوں کے سلسلہ میں تمام فقہی بورڈوں، علمی مجلسوں، جامعاتی نشستوں اور اسلامی بینکوں کا ظاہری و معتبر موقف ہے۔

رابطہ العالم الاسلامی کے ذیلی ادارہ مجمع الفقہی الاسلامی کی قرار داد اور مفتی اعظم اردن شیخ مصطفیٰ الزرقاء کا وہ نقطہ نظر جو انہوں نے کویتی فقہی انسائیکلوپیڈیا کی بحث، حوالہ میں پیش کیا ہے میں اسے طبع ثانی کے آخر میں شامل کرکے نہایت مسرت محسوس کرتا ہوں اس میں میں نے کہیں کہیں معمولی اضافے کئے ہیں جو صرف اجمال کی تفصیل و وضاحت کی غرض سے ہیں یا کسی گہری بات کی تشریح کے لئے یا لغوی اور کتابت کی غلطی کی اصلاح کے لئے، میں دوبارہ پروردگار کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے میری اس رائے تک پہنچنے میں رہنمائی کی جسے اندرون و بیرون ملک علماء میں پذیرائی ملی اور میں دعا گو ہوں کہ میرا رب مجھے اس کتاب کا اس وقت اجر عطا کرے جب اور کوئی نیک عمل میرے پلے نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تو قادر ہے اس کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں، واللہ المستعان و صلی اللہ علی نبینا محمد و علی آلہ و صحبہ وسلم۔

عبداللہ بن سلیمان بن منیع
قاضی محکمہ تمیز۔ مکہ المکرمہ
و عضو ہیئت کبار العلماء
المملکۃ العربیہ السعودیہ۔

پہلی بحث

کرنسی کی ماہیت

کسی چیز کی ماہیت کے معنی اس کی حقیقت کے ہوتے ہیں، کرنسی ایک مستقل بالذات شئی ہے اس کی اپنی ایک تعریف ہے جو اسے دیگر اشیاء سے ممتاز کرتی ہے۔ کرنسی کی ماہیت پر گفتگو کرنے سے ہمارا مقصد اس کی ایسی تعریف ذکر کرنا ہے جو اسے دیگر ذرائع تبادل سے الگ اور ممتاز کرتی ہو، چونکہ کسی چیز کی تعریف کا انحصار اس کے اس تصور پر ہوتا ہے جو اس کی خصوصیات و صفات کے جاننے سے حاصل ہوتا ہے لہٰذا کرنسی کی تعریف کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں اس کی بعض خصوصیات کا ذکر کریں تاکہ اس کی وہ خوبیاں ہمارے سامنے ہوں جن کی بدولت ہم اس کی تعریف کو مدلل اور واضح قرار دے سکیں گے۔

لغوی اعتبار سے ہم دیکھتے ہیں کہ نقد کو لفظ (نقد) کرنسی سے تعبیر کرنے سے اس کے حقیقی معنی ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ یہ لفظ اس کی اصل یعنی دیگر اشیاء سے اسے ممتاز کرنے اور اس کی الگ حیثیت متعین کرنے کے لئے بہت مناسب ہے۔ قاموس اور لغت کی دیگر کتابوں میں نقد کے معنی تمیز الدراہم (یعنی دراہم کی تمیز یا پہچان) لکھے ہیں۔

چنانچہ جو معنی اس لفظ (نقد) میں مصدری حالت میں پائے جاتے ہیں وہی اس کے اسم ہونے کی صورت میں بھی موجود ہیں۔ اور یہ معنی کسی چیز کو قیاس کرنے اور اس کی ذات کو متعین کرنے کے ہیں لہٰذا ثمن کو نقد کہنے میں 'تمیز' تقویم اور قیاس تینوں معنی آجاتے ہیں۔

معنوی اعتبار سے علم اقتصادیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ کرنسی (نقد) میں تین خوبیاں پائی

جانی ضروری ہیں۔ جب یہ تینوں کسی مادہ میں یکجا ہوں تو اس پر نقد (کرنسی) کی تعریف صادق آئے گی۔ اور یہ تین خوبیاں یہ ہیں کہ ' وہ (مادہ) عام لین دین میں ذریعہ تبادل بن سکے (۲) قیمتوں کے تعین کے لئے ایک پیمانہ یا معیار بن سکے' اور بطور دولت اسے ذخیرہ کیا جاسکے۔ ایسی کسی چیز کو (کرنسی) نہیں کہا جاسکتا جو مخصوص حالات یا علاقہ میں بطور زر تبادل رائج ہو اور اس پر کسی مخصوص علاقہ یا محلہ کے لوگ اعتماد کرتے ہوں اور اشیاء کی قیمتوں کے تعین کے لئے اس کو معیار یا پیمانہ مانتے ہوں' مثلاً" انڈا۔ کیونکہ اسے تمام اشیاء کے لین دین میں قبولیت عامہ حاصل نہیں۔ اسی طرح کوئی ایسی چیز بھی کرنسی نہیں ہوسکتی جسے قبولیت عامہ حاصل تھی پھر اس کی یہ قبولیت جاتی رہی جیسے حاکم یا قانون نے اس کی یہ حیثیت ختم کردی یا لوگوں کا اس پر سے اعتبار اٹھ گیا۔ اس کی مثال ایسی کرنسی کو قرار دیا جاسکتا ہے جو کبھی بطور کرنسی رائج تھی پھر اسے ذریعہ تبادل کے طور پر جو رواج و اعتبار حاصل تھا وہ جاتا رہا یا حکومت نے اس کی کرنسی کی حیثیت ختم کردی اور اس کے ذریعہ لین دین روک دیا چنانچہ اب وہ محض کاغذی پرزے رہ گئے۔

چنانچہ یہ کرنسی جس میں کہ کسی وقت کرنسی والے تمام اوصاف موجود تھے اور وہ ان کی وجہ سے کرنسی تھی۔ اب ان اوصاف کے جاتے رہنے یا ان میں سے کسی ایک کے نہ پائے جانے کی بناء پر اپنی حیثیت کھو بیٹھی۔

اور یہ بات درست ہے کہ کوئی بھی کرنسی جو ذریعہ تبادل عام ہو اس کا قیمتوں کے تعین کے لئے معیار یا پیمانہ ہونا بھی ضروری ہے اور قابل ذخیرہ دولت ہونے کی صفت بھی اس میں پائی جانی لازم۔ لیکن اگر کسی چیز میں یہ خصوصیت ہو کہ وہ قیمتوں کے تعین کا پیمانہ بن سکتی ہو یا قابل ذخیرہ دولت ہونے کی خوبی اس میں ہو یا یہ دونوں خوبیاں اس میں ہوں مگر قابل تبادل عام ہونے کی خوبی اس میں نہ ہو تو وہ کرنسی نہیں کہلا سکتی کیونکہ اس میں ذریعہ تبادل بن کر قبولیت عامہ حاصل کرنے کی خوبی نہیں۔ اس سلسلہ میں پروفیسرج ف کراؤذر نے اپنی کتاب الموجز فی اقتصادیات النقود میں کہا ہے (جس کا عربی ترجمہ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال فاید نے اس طرح کیا ہے) کہ :

"اشیاء کی قیمتوں کے تعین کے لئے دیگر اشیاء بھی استعمال ہوسکتی ہیں' یا بطور دولت ذخیرہ کئے جانے کے لائق دیگر اشیاء بھی ہوسکتی ہیں' اب تک برطانیہ میں ایسی بہت سی اجناس ہیں جن کی پرانے زمانے کے انگریزی پاؤنڈ سے قیمتیں متعین کی جاتی ہیں' باوجود یکہ یہ کرنسی ایک زمانہ سے معطل ہوچکی۔ اور اب اس نام کی کوئی کرنسی وہاں موجود نہیں اسی طرح ہم مالی اوراق میں اگرچہ ایک وصف باسانی پاتے ہیں یعنی بطور ثروت ذخیرہ ہونے کا وصف' مگر آپ کسی مالی دستاویز یا شیئر کے بدلے ماچس کی ایک ڈبیہ بھی نہیں خرید سکتے"۔

چنانچہ قدیم برطانوی پاؤنڈ (جنیہ) یا مالی دستاویزات' کرنسی نہیں ہیں۔ کیونکہ کرنسی کی یہ خوبی ہونی چاہیے کہ وہ تینوں مذکورہ امور انجام دے سکے اور بالخصوص باہمی لین دین میں ذریعہ تبادل بن سکے(۱)

چنانچہ ہمیں کرنسی کی تعریف میں سوائے ایک شرط کے دیگر شرائط عائد کرنے کی ضرورت نہیں اور وہ ہے اس کا قابل تبادلہ عامہ ہونا۔

کرنسی کی تعریف

اس طرح کرنسی کی جو جامع مانع تعریف ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز خواہ وہ کیسی بھی ہو' کوئی سی بھی ہو' اگر باہمی لین دین میں ذریعہ تبادل کے طور پر رواج پا جائے اور قبول عام حاصل کرلے تو وہ کرنسی ہے۔

اس تعریف سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی بھی ایسی چیز جو صرف مخصوص معاملات میں ذریعہ تبادل بنتی ہو اسے کرنسی نہیں کہا جائے گا جیسے پے آرڈز' بنک ڈرافٹس' اور چیک وغیرہ'

اس طرح ان تمام کرنسیوں کو جو قانونا" یا رواجا" اپنی حیثیت کھو چکی ہوں کرنسی کے زمرے سے خارج سمجھا جائے گا اور ان پر کرنسی کے احکام و خصائص کا اطلاق نہ ہوگا۔

تاہم اس بات کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ ماہرین اقتصادیات نے کرنسی کی تعریف میں جو یہ کہا ہے کہ ہر وہ چیز جو بطور ذریعہ تبادل قبولیت عامہ حاصل کرلے وہ کرنسی ہے تو اس میں بلا تخصیص ہر چیز شامل ہے خواہ وہ ادنیٰ درجہ کی ہو یا اعلیٰ درجہ کی نفیس معدنیات میں سے ہو جیسے سونا چاندی' یا بالکل ایسی ہو کہ اس کی اپنی کوئی حیثیت نہ ہو مگر اس کے جاری کرنے والے اس کی کوئی اقتصادی اعتبار سے قدر متعین کردیں اور اس قدر کے تحفظ کے انتظامات کردیں جس سے اسے لوگوں میں اعتماد حاصل ہو جائے جیسے کاغذی کرنسی نوٹ۔

میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس کوئی ایسی عقلی یا شرعی حجت نہیں جس کی بناء پر ہم کرنسی کی اس تعریف کو تسلیم کرنے سے گریز کریں۔ بلکہ بعض علماء اسلام کی آراء سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ مدونہ کبریٰ میں امام مالک سے کتاب الصرف میں اس طرح ایک عبارت منقول ہے :

"...اگر لوگ چمڑوں کو آپس میں لین دین کا ذریعہ ٹھہرالیں اور ان کی ایک قدر اور وقار قائم ہو جائے تو میں اس کو ناپسند جانوں گا کہ لوگ سونے یا چاندی سے لین دین کریں..."

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے مجموع الفتاویٰ میں لکھا ہے :

دراہم و دینار کی کوئی طبعی یا شرعی تعریف نہیں' بلکہ اس کا تعلق لوگوں کے رواج سے ہے یا اصطلاح سے' کیونکہ دراصل ان کے لین دین میں ان کے اصل (حقیقت) کا لین دین مقصود

نہیں ہوتا بلکہ انہیں لین دین کے معاملات میں ایک ذریعہ تبادل اور معیار کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی کوئی شخص کسی سودے میں درہم و دینار (وہ جو کاغذ یا کسی دھات کا بنا ہوا ہے) نہیں لیتا بلکہ اسے تو وہ بطور ذریعہ تبادل استعمال کرتا ہے (جس کے بدلے اسے وہ چیزیں مل جائیں جو اسے ضرورت ہوں) اسی لئے انہیں اثمان (یعنی قیمتیں) کہا جاتا ہے۔ پھر شیخ الاسلام کہتے ہیں : ایک ایسا ذریعہ جو صرف اور صرف ذریعہ ہی ہو اور جس کے مادہ یا جس کی صورت سے کوئی غرض وابستہ نہ ہو اس سے بہرکیف اصل مقصود حاصل ہوجاتا ہے۔(۲)

چنانچہ شیخ کے اس قول میں کہ "صرف اور صرف وسیلہ' جس کے مادہ یا صورت سے کوئی غرض وابستہ نہ ہو اس سے اصل مقصود بہرکیف حاصل ہوجاتا ہے"۔ اس طرف اشارہ ہے کہ کرنسی وہ ہے جسے ذریعہ تبادل عام کے طور پر قبولیت عامہ حاصل ہوجائے اگرچہ اس کی کوئی بھی شکل ہو اور یہ کسی بھی مادہ سے بنی ہو۔

شیخ عبداللہ بن محمد حمید رحمہ اللہ علیہ نے ہمیں بتایا کہ انہوں نے امام غزالی کا ایک قول کرنسی کے بارے میں یہ پڑھا ہے کہ "کرنسی وہ ہے جس پر اعتماد میں اتفاق ہوجائے اگرچہ وہ پتھر یا لکڑی کے ٹکڑے ہی کیوں نہ ہوں۔

اس بناء پر ہمیں اس رائے کے صحیح ہونے میں شک ہے جس کے مطابق سونا اور چاندی ہی ثمنیت (قابل کرنسی ہونے) کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ اس رائے کے بارے میں ہمارا شک اور بھی پختہ ہوگا جب ہم کرنسی کے ان تاریخی ادوار کا حال پیش کریں گے جن سے گزر کر کرنسی موجودہ صورت تک پہنچی ہے۔

۳ مندرجہ بالا گفتگو کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کرنسی ایک اعتباری چیز ہے' اگرچہ یہ اعتبار کسی سرکاری حکم یا عرف عام کی وجہ سے ہو۔ اور یہ کہنا کہ سونا اور چاندی ثمنیت ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں اس کی کوئی قابل اعتبار دلیل نہیں' نہ شرعی اعتبار سے' نہ نظری اعتبار سے اور نہ تاریخی اعتبار سے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم اس بات سے انکاری ہیں کہ سونا اور چاندی دیگر تمام اشیاء سے زیادہ مہنگے اور قیمتی ہیں بلکہ ہم مانتے ہیں کہ ان کا عمل دخل ثمنیت میں بہت ہے۔ اس لئے ان میں ربا کے جاری ہونے کی نص عمومی ہے خواہ یہ ڈھلے ہوئے ہوں یا ڈھیلوں کی شکل میں ہوں ماسوائے ان کے زیورات کی صورت میں ہونے کے کہ کاریگری کی وجہ سے وہ اس زمرہ سے نکل گئے۔ چنانچہ اس میں ربا کے جاری ہونے کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے جس کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

دوسری بحث

کرنسی نوٹوں کا ارتقاء:۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے' خود انسان بصورت مفرد یا فرد واحد کمزور ہے مگر اپنے ہم جنسوں سے مل کر بصورت جمع وہ طاقتور ہے۔ چنانچہ انسان اپنے ساتھیوں کی مدد کے بغیر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ابتدائی زمانہ میں انسان اپنی سادہ زندگی کے باوجود ان اشیاء کا محتاج رہا جو کسی ایک فرد کے پاس تمام کی تمام نہ تھیں بلکہ مختلف افراد کے پاس مختلف اشیاء تھیں **مثلاً** اگر کوئی کسان تھا تو وہ کھیتی باڑی کے اوزار و آلات کے سلسلہ میں لوہار یا اوزار ساز انسان کا محتاج تھا۔ اگر شکاری یا چرواہا تھا تو وہ کسانوں سے اناج اور پھل وغیرہ لینے کا محتاج تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر فریق اپنے پاس موجود اشیاء کسی دوسرے فریق پر صرف کرنے یا اسے دے دینے کے معاملے میں بخیل تھا الا یہ کہ اسے اس کے بدلے میں فریق ثانی سے کچھ ملنے کی امید ہو۔

باہمی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے انسان قدیم کے ہاں ایک بارٹر سسٹم نے جنم لیا جسے تبادل **الجنس بالجنس** (اشیاء کا اشیاء سے تبادلہ) کہا جاتا تھا۔ **مثلاً**" اگر شکاری یا مویشی پالنے والا شخص زرعی اجناس میں سے کوئی چیز خریدنا چاہتا تو وہ اپنے پاس موجود اشیاء جیسے جانور" گوشت' ان کی کھالیں یا اون وغیرہ کے بدلہ میں کسان سے زرعی اجناس خریدتا۔

ماہرین اقتصادیات کا خیال ہے کہ تبادل اشیاء (Exchange of Commodities) کا یہ نظام ایک طویل عرصہ قائم رہا۔ یہاں تک کہ انسانی زندگی میں ترقی و تطور ظاہر ہوا اور اس نظام میں دشواریاں محسوس کی جانے لگیں۔ ان دشواریوں میں سے بعض اہم نوعیت کی حسب ذیل تھیں۔

(۱) دو متبادل اشیاء کے حصول میں دشواری، مثلاً" ایک شخص کے پاس گندم ہے اور اسے کھیتی باڑی کے اوزار درکار ہیں تو اسے ایسا شخص ملنا دشوار ہوتا جو اس سے گندم لے کر اسے مطلوبہ اوزار فراہم کرسکے۔

(۲) اجناس کی قدروں(Values) کا تعین اور ان کی شرح تبادلہ کے تعین میں دشواری نیز اس تعین کو یاد رکھنا کہ کس چیز کی کتنی مقدار دوسری کی کتنی مقدار کا بدل بنے گی۔ علاوہ ازیں اجناس کی قدروں (قیمتوں) میں توازن قائم رکھنے کی دشواری کیونکہ شکر کی ایک خاص مقدار کا گھی یا چائے کی کس مقدار سے تبادلہ ہوگا اس کے لئے لازما" کوئی خاص طریقہ ہونا چاہیئے ورنہ تبادلہ ناممکن ہوگا۔

(۳) بعض ناقابل تقسیم اشیاءؔ کو اجزاء میں تقسیم کرنے کی دشواری کہ کبھی کسی معمولی سی قیمت کی چیز کی ضرورت ہو اور اس کے بدلے میں دینے کے لئے خریدار کے پاس جو چیز ہے وہ بہت بڑی زیادہ قیمت والی اور ناقابل تقسیم ہے تو تبادلہ کس طرح ہو۔ مثلاً" جس کے پاس بکریاں ہیں اسے ایک برتن درکار ہے اب نہ تو بکری کے اجزاء کرکے تبادلہ ہوسکے اور نہ برتن والا برتن کے اجزاء کرکے اس کے بدلہ میں ضرورت کی چیز لے سکے۔

(۴) کسی بھی سامان کو اس کی قیمت کے ساتھ محفوظ رکھنا تاکہ یہ ایک قیمتی مال کی حیثیت سے محفوظ رہے اور اس میں قوت خرید بھی ہو۔ جیسے آجکل سونا ہے کہ اس کی قوت خرید چونکہ بہت زیادہ ہے اس لئے اس کی حفاظت بھی خوب کی جاتی ہے اور اس کی Value کی حفاظت بھی ہمیشہ پیش نظر رہتی ہے۔

ان تمام عوامل اور دشواریوں نے اس نظام تبادل اجناس کو ناقابل عمل بنادیا اور اس کی جگہ کسی ایسے نظام کو اپنانے کی راہ ہموار کی جس سے مذکورہ مشکلات پر قابو پایا جاسکے۔ چنانچہ ایک نئے نظام نے جنم لیا اور وہ نظام زر بضاعتی کہلایا جسے ہم (Commodity money system) کہتے ہیں۔ اس نظام میں یہ طے پایا کہ ایسی اشیاء کو زربضاعتی قرار دیا جائے جن میں حسابی وحدت، قیمتوں کی یکسانیت، بحیثیت مال جمع کئے جانے کی استعداد اور قوت خرید موجود ہو۔ یہ اشیاء نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھیں مثلاً" ساحلی علاقہ جات میں موتیوں کو بطور ثمن استعمال کیا گیا۔ سرد علاقوں میں پشم کو ثمن ٹھہرایا گیا۔ جبکہ معتدل موسم کے حامل ممالک میں آباد لوگوں کی خوشحال زندگی اور آسودہ حالی کی بناء پر خوبصورت اشیاء (مثلاً" قیمتی پتھروں کے نگینے، عمدہ لباس، ہاتھی دانت، مچھلیاں وغیرہ) کو کرنسی ثمن قرار دیا گیا۔

جاپان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہاں چاول کو بطور کرنسی (ثمن) استعمال کیا گیا جب کہ وسط ایشیاء میں چائے، وسطی افریقہ میں نمک کے ڈلوں اور شمالی یورپ میں پوستین کو کرنسی

(ثمن) قرار دیا گیا۔

انسانی زندگی کے مختلف شعبہ جات (فکری' معاشرتی' اقتصادی وغیرہ) نے اس نظام زربضاعتی کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور اشیاء صرف کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ کی بناء پر یہ نظام بھی ناقص ٹھہرا کیونکہ رسد اور طلب (Demand and Supply) کیوجہ سے قیمتوں کا اتار چڑھاؤ روز مرہ کا معمول تھا اور اس نظام میں خرید و فروخت کے معاملات مذکورہ مشکل کی بناء پر متاثر ہوتے تھے۔ علاوہ ازیں سامان یا اشیاء جنس کو زربضاعتی بنانے میں ایک دشواری اور بھی تھی اور وہ یہ کہ ان اشیاء کے تلف ہوجانے کا اندیشہ اور ایک سے دوسری جگہ منتقلی کا بھی ایک مسئلہ تھا۔ پھر ان کی منتقلی کے دوران بھی راستہ اور سفر کے کئی خطرات درپیش تھے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں سے بعض اشیاء جنہیں زربضاعتی قرار دیا گیا تھا ان کی بعض دیگر اجناس کے مقابلے میں کوئی قدر (Value) نہ تھی۔ مثلاً" انڈہ' خربوزہ' تربوز اور روئی جبکہ یہ ایسی اشیاء تھیں جن کی ضرورت کم و بیش ہر شخص کو پیش آتی تھی۔

کرنسی کی تلاش :۔

نتیجتاً" اقتصادی سوچ اس تلاش میں نکلی کہ ایسی اشیاء یا اجناس کو زربضاعتی (Currency) قرار دیا جائے جن کی نقل و حمل آسان ہو اور جن کی قدر (Value) بھی بڑھتی رہے نیز ان کے اندر ایسے کیمیائی و طبعی اوصاف ہوں کہ جن کی بناء پر تلف ہونے اور ثمن (Value) میں کمی بیشی سے یہ محفوظ رہیں۔ چنانچہ اس سوچ نے قیمتی دھاتوں' جیسے سونا' چاندی' تانبا وغیرہ تک رسائی پائی جو ان اوصاف کی حامل تھیں اور بطور کرنسی استعمال ہونے کے قابل تھیں۔ اس طرح ایک عرصہ تک ان دھاتوں کو زربضاعتی کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا لیکن یہ عرصہ ان دھاتوں کے مختلف سائز کے ٹکڑوں یا اینٹوں کے استعمال پر مبنی تھا جن کے وزن' شکل اور سائز میں کوئی یکسانیت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ ان دھاتوں کے استعمال میں اختلاف انواع کی بناء پر مسائل کھڑے ہوئے اور یہ نظام بھی چند ئی دشواریوں کا شکار ہوگیا۔

سونے کے استعمال سے تبادل اجناس کے میدان میں بے قاعدگی اور دھوکہ دہی نے جنم لیا کیونکہ ہر شخص تو اصلی اور نقلی سونے کی پہچان نہیں رکھتا تھا اور نہ ہی ہر شخص سونے کے مقابلے میں دیگر اشیاء کی شرح تبادلہ سے واقف تھا اس لئے یہ نظام بھی ایک کامیاب مکمل نظام کی صورت اختیار نہ کرسکا۔ علاوہ ازیں سونے جیسی قیمتی دھات کو زربضاعتی قرار دیئے جانے اور اس کی کوئی خاص مقدار بمقابلہ دیگر اشیاء تبادلہ مقرر نہ کرنے کی وجہ سے اور سونے کے ٹکڑوں کی قدر (Value) میں یکسانیت نہ ہونے کی وجہ سے وزن میں کمی کرنے کی برائی پیدا ہوئی کیونکہ ان ٹکڑوں کو وزن کے لحاظ سے دوسری اجناس سے بدلا جاتا تھا اس لئے وزن میں

چوری کی علت بھی پیدا ہوئی اور بیع و شریٰ کے ہر معاملہ میں یہ اثرات در آئے جنہوں نے بزنس میں نئی مشکلات کا اضافہ کیا۔

کرنسی کا پہلے پہل سرکاری اجراء:۔

اس طرح حکام کا معاملات زر میں مداخلت کرنا ناگزیر ہو گیا اور کرنسی کا سرکاری سطح پر اجراء ایک ضرورت قرار پایا۔ سرکاری تحویل و سرپرستی میں کرنسی کے اجراء کے معاملات آجانے کے بعد ہی یہ طے ہو سکا کہ دھاتوں کے ٹکڑے ایک دوسرے سے باعتبار وزن نہیں بدلے جائیں گے بلکہ ان کا لین دین باعتبار عدد (گنتی) ہو گا نیز یہ کہ دھاتوں کے جو ٹکڑے بطور کرنسی استعمال کئے جائیں گے وہ ہم شکل اور معلوم الوزن ہوں گے اور ہر ٹکڑے پر اس کا وزن درج کیا جائے گا۔ سرکاری ضمانت کے حامل ان دھاتی ٹکڑوں پر حکومت کی مہر(Stamp) بھی لگائی جائے گی۔ جو حاکم وقت کی طرف سے کرنسی کے لائق تبادل و قابل نفاذ ہونے کی علامت ہو گی۔

یوں ایک مدت مزید کے بعد سرکاری حکام نے کرنسی کا کنٹرول سنبھالا اور قیمتی دھاتوں کے ٹکڑوں کا استعمال وزناً" کی بجائے عدداً" شروع ہوا۔ اور ہر جنس کا دوسری جنس کی دھات سے اور پھر ان دھاتوں کا دیگر اجناس سے تبادلہ کی ایک مخصوص مقدار بلحاظ قسم طے پائی۔ یہاں یہ بتانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا کہ سب سے پہلے جس شخص نے دھات کے سکے رائج کئے وہ ساتویں صدی قبل مسیح کا بادشاہ "کریوس" تھا جو جنوبی ایشیاء کے ایک خطے لیڈیا کا حکمران تھا کہا جاتا ہے کہ اس بادشاہ کے جاری کردہ سکوں کے بعض نمونے برطانوی میوزیم میں اب بھی موجود ہیں۔ اس بادشاہ کی دیکھا دیکھی قرب و جوار کی دیگر حکومتوں کے بادشاہوں نے بھی سکے' ڈھلوانے کا کام کیا تا آنکہ یونانی معاشرہ کی ترقی و عروج کے زمانے میں یونانیوں نے ایک مخصوص سکہ رائج کیا جس کا نام "دراخمہ" رکھا جس کے معنی ہاتھ کی مٹھی کے ہوتے ہیں۔ یونانی کرنسی کا یہ نام ایسا مقبول ہوا کہ اب تک معمولی تغیر کے ساتھ رائج ہے عربوں نے دراخمہ کو درہم کہہ کر معرب کیا تو یہ ان کی کرنسی کا عربی نام قرار پایا۔

بہرکیف کرنسی کا یہ نظام ترقی کرتے کرتے ایسے مرحلہ تک پہنچ گیا کہ لوگ اس پر اعتماد اور بھروسہ کرنے لگے اور اس کی مختلف شکلوں میں لوگوں کے درمیان لین دین کے معاملات باسانی طے پانے لگے۔ اب چونکہ تجارتی معاملات میں بسا اوقات کرنسی کی بہت زیادہ مقدار کی ضرورت پڑتی ہے اور کرنسی کے ثقیل ہونے کی بناء پر اتنی بڑی مقدار کا ایک سے دوسری جگہ سفر میں ساتھ لے جانا دشوار ہوتا۔ پھر راستہ میں ڈکیتی اور چوری چکاری کا ڈر بھی لگا رہتا۔ دیگر ذرائع سے اس کے ضائع ہونے کا خطرہ بھی لاحق رہتا اس لئے معدنی کرنسی کو جدید اقتصادی

ضروریات سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت پیش آئی اور نسبتاً" کم وزنی کرنسی کی تلاش شروع ہوئی جو کاغذ کی صورت میں پوری ہو سکتی تھی۔ چنانچہ کاغذی کرنسی (نوٹس) کا تصور ابھرا۔

کاغذی کرنسی کی تاریخ

کاغذی کرنسی (نوٹس) کی ارتقائی کیفیت کا حال بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ کاغذی نوٹوں کا استعمال اتنا جدید بھی نہیں بلکہ خاصا پرانا ہے۔ چین (China) میں کاغذی کرنسی تو اور بھی قدیم الاستعمال ہے مشہور عالمی سیاح "مارکو پولو" جو کہ چودھویں صدی عیسوی کے معروف اشخاص و شخصیات میں سے ہے اپنے ساتھ چین سے کاغذی کرنسی کی ایک قابل ذکر مقدار لایا تھا خیال کیا جاتا ہے کہ چین میں کاغذی کرنسی کا استعمال کا استعمال نویں صدی عیسوی میں چینی بادشاہ سن تونگ (Sun Tong) کے دور میں شروع ہوا اور کاغذی نوٹوں کی طباعت و اجراء کا کام چینی بادشاہوں اور مغلوں کے ہاتھوں شروع ہوا۔ ابن بطوطہ نے اپنے سفر چین کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چین میں خرید و فروخت کاغذوں کے بدلے ہوتی ہے جن کی لمبائی کف دست کے برابر یا بالشت بھر ہے۔ یہ کاغذ بادشاہ کے جاری کردہ ہیں ان میں سے اگر کوئی کاغذ (نوٹ) پھٹ جائے تو اس کے بدلے ٹکسال سے دوسرا (نوٹ) کاغذ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

کرنسی کے ارتقائی مراحل :۔

ابن بطوطہ کہتے ہیں کہ چین میں اگر آپ چاندی و سونے کے دراہم یا دنانیر لے کر جائیں تو ان کی طرف کوئی دیکھنا بھی گوارا نہ کرے گا۔ ہاں البتہ آپ ان دراہم و دنانیر کے عوض ٹکسال سے اگر کاغذ کے پرزے (نوٹ) لے لیں تو یہ کاغذی پرزے (نوٹ) سکہ رائج الوقت کا کام دیں گے اور آپ کچھ خرید و فروخت کے قابل ہو سکیں گے۔ کاغذی کرنسی نوٹس نے چار مختلف مراحل طے کئے ہیں۔

پہلا مرحلہ

اس مرحلہ میں تاجر حضرات اپنے ساتھ اکثر تجارتی اسفار میں سامان کی خریداری کے لئے

کرنسی (نوٹ) ساتھ نہیں لے جاتے تھے اور کرنسی کے چوری ہونے یا ضائع ہونے کے ڈر سے کرنسی سفر میں نہیں لے جائی جاتی تھی بلکہ اس کے بجائے شخصی اعتبار و ساکھ کی بناء پر حوالہ کا سلسلہ چلتا تھا اور وہ یوں کہ خریدنے والے تاجر اپنے ملک کے کسی ایسے تاجر کی تحریری ضمانت پیش کرتے جس سے یہاں کے تاجروں کا لین دین ہوتا اور اس طرح دوسرے ملک میں جانے والے تاجر بھی اپنے ہاں کے کسی ایسے تاجر کی ضمانت پر مال لیتے تھے جس سے ادھر کے تاجروں کا لین دین رہتا۔ یوں مال کے بدلے ضمانت پر مال کا کاروبار ہوتا اور کرنسی ایک سے دوسری جگہ لے جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ اس میں چونکہ ضمانت تحریری ہوتی اور تحریر کاغذ کے کسی ٹکڑے پر ہوتی تھی جس پر ضمانت فراہم کرنے والے تاجر کے دستخط اور مہر ثبت ہوتی اس لئے اس کاغذ کو سکہ رائج الوقت (کرنسی) کی حیثیت حاصل ہوتی۔ مگر اس میں ہر تاجر سے سامان خریدنے کی قوت نہ تھی کہ اس ضمانت (کرنسی نوٹ) کو وہی تاجر قبول کرتا جس کا ضمانت دینے والے تاجر سے تجارتی معاملہ ہوتا اور کھلے بازار میں اس کی کوئی قوت خرید نہ تھی اس لئے اس کے گم یا تلف ہوجانے یا چوری ہونے کی صورت میں اس کا کوئی بدل یا معاوضہ نہ ملتا اور اسے قبول کرکے ضائع کر بیٹھنے والے تاجر کو نقصان برداشت کرنا پڑتا۔

اس صورت میں آسانی پیدا کرنے اور اس کو مزید فعال بنانے کے لئے یہ سوچا گیا کہ تحریر کسی مخصوص تاجر کے نام نہ ہو بلکہ یہ اوپن چیک کی طرح کی تحریر ہو کہ جس کا نام اس پر لکھ دیا جائے وہی اس پر درج ضمانت کے مطابق رقم یا سامان وصول کرنے کا مجاز ہو۔ اس طرح ٹریول چیک ٹائپ کی ایک تحریر (کرنسی) رائج ہوئی جس پر جاری کنندہ کے دستخط و مہر ہوتے یوں یہ کاغذات حوالہ 'کرنسی نوٹ کی ابتدائی شکل سے دوسرے مرحلہ میں داخل ہوئے۔

دوسرا مرحلہ

دوسرے مرحلہ میں عام تاجروں کی بجائے ضمانتی تحریریں (کرنسی نوٹس) صرافوں یا (Money Exchangers) نے جاری کیں اور یہ مستندات' کاغذات یا کرنسی نوٹس جس شخص کے نام جاری کئے جاتے وہی ان کے عوض دراہم و دنانیر یا معدنی کرنسی وصول کرنے کا حقدار ہوتا اس کے لئے اسے جاری کنندہ (صراف) کے پاس آنا پڑتا اور صراف اس کے عوض کرنسی یا معدنی سکے اس شخص سے وصول کرتا تھا جس کے (Behalf) کہنے پر وہ یہ ضمانت جاری کرتا تھا۔ گویا کرنسی نوٹ کی حیثیت ایک T.C. یا کرنسی نوٹ جاری کرنے اور انہیں قبول (Accept) کرنے کا اور ان کے عوض مال کے لین دین کا معاملہ خاصا محدود تھا۔ کیونکہ اس قسم کے نوٹ یا (حفاظتی تحریریں) ہر شخص کو نہ تو دستیاب تھے اور نہ ہی ہر شخص انہیں قبول کرتا تھا۔ چنانچہ یہ سلسلہ زیادہ عرصہ نہ چلا تھا کہ صرافوں نے اسے عام کردیا اور اب پبلک اس قسم کے نوٹ (صرافوں کے جاری کردہ) قبول کرنے لگی اور عام خرید و فروخت میں ان نوٹوں

(تحریروں) پر اعتماد کیا جانے لگا۔ اب کیفیت یہ ہوئی کہ بہت ہی کم لوگ نوٹوں پر درج (ضمانت) رقم کی تصدیق کے لئے صرافوں کے پاس جاتے' جب کہ اس سے قبل جونہی کسی کو یہ نوٹ دیا جاتا تو وہ فوراً" صراف سے اسے کیش کرانے پہنچتا یا کم از کم تصدیق ضرور کراتا تھا۔ کرنسی نوٹوں پر اعتماد بڑھنے کی وجہ سے ان کی حیثیت مخصوص سے عام ہوگئی اور چھوٹے چھوٹے کاروباری مسودوں میں لین دین کے لئے بھی یہی کرنسی (کاغذی نوٹ) استعمال ہونے لگی۔ گویا کرنسی نوٹ کا یہ تیسرے مرحلے کی طرف ارتقاء تھا۔

تیسرا مرحلہ

مذکورہ دو مرحلوں میں کرنسی نوٹ کی حیثیت ایک ضمانتی تحریر کی تھی کہ پہلے مرحلہ میں تو یہ ایک شخص کی ایک مخصوص شخص سے لین دین کی حد تک ضمانت تھی' اس میں کچھ ترقی ہوئی تو صرافوں کی جاری کردہ کرنسی (تحریروں) نے رواج پایا۔ جب ان تحریروں یا اس کرنسی پر اعتماد بڑھا تو صرافوں نے بکثرت کرنسی نوٹ جاری کردیئے اور نوبت بایں جا رسید کہ جتنی مالیت کے نوٹ وہ جاری کرتے ضروری نہیں تھا کہ اتنی مالیت کی اصل کرنسی بصورت دراہم و دنانیر (معدنی) ان کی تجوری میں ہوتے اس طرح گویا کرنسی نوٹ پر درج رقم بصورت تقاضا وہ مطالبہ صراف اگرچہ ادا کرنے کے پابند تھے تاہم زیر گردش نوٹوں کی تعداد' موجودہ دراہم و دنانیر سے تجاوز کرتی گئی۔ دوسرے مرحلے میں تو یہ لازم تھا کہ زیر گردش نوٹوں کی مالیت کے برابر نقد دراہم و دنانیر بھی جاری کنندہ کے پاس ہوں تاکہ عندالطلب وہ ان نوٹوں (ضمانتی تحریروں) کے بدلے ادائیگی کرسکے۔ گویا دوسرے مرحلہ میں کرنسی نوٹوں کا فائدہ یہ تھا کہ انسان معدنی دراہم و دنانیر اٹھائے پھرنے کی مشقت سے آزاد ہوگیا تھا اور وہ اصل کرنسی کسی بھی صراف کے پاس رکھوا کر اس کے بدلے کاغذی کرنسی لے لیتا اور تجارتی معاملات میں اسے استعمال کرتا تھا۔

تیسرے مرحلہ میں یہ ہوا کہ کاغذی تحریروں یا کرنسی نوٹوں پر پبلک کا اعتماد بڑھ جانے سے ہر صراف نے اپنے اپنے نوٹ جاری کردیئے خواہ اس کے پاس اتنی مالیت کے دراہم و دنانیر ہوں یا نہ ہوں۔ پبلک کے اعتماد نے ان نوٹوں کا استعمال اتنا عام بنا دیا کہ کوئی شخص بھی ان پر درج رقم کا مطالبہ کرنے صرافوں کے پاس نہ جاتا بلکہ ان کے بدلے وہ ہر طرح کی ضروریات و خدمات (Services) حاصل کرسکتا تھا اس صورت حال نے ایک نئی فکر پیدا کی اور وہ یہ کہ کوئی بھی ادارہ محض اپنی ساکھ کی بناء پر بغیر معدانی کرنسی (دراہم و دنانیر) کے کاغذی کرنسی چھاپ کر مالی نظام چلا سکتا ہے۔

یہی وہ فکر تھی جس نے حکومتوں کو اس طرف راغب و آمادہ کیا کہ وہ محض اپنی ساکھ کی بناء پر کرنسی نوٹ چھاپیں اور ایک ہی سائز' کوالٹی شکل وغیرہ کا اہتمام کرتے ہوئے ایسی کاغذی تحریریں جاری کریں جن پر ان کی مالیت کے برابر نقد دراہم و دنانیر کی ادائیگی کا محض وعدہ درج

ہو۔ اس طرح سرکاری کاغذی نوٹ جاری ہونے لگے اور ان پر اس طرح کی عبارت درج کرنے کا رواج ہوا۔

"حامل **ھذا** کو **عندالطلب مبلغ**.... روپے / دراہم / دینار / ریال وغیرہ ادا کرے گا"۔

اس تحریر کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ حامل کے پاس جو کاغذ کا پرزہ ہے وہ دراصل اپنی ذاتی حیثیت میں محض ایک ضمانت یا وعدہ پر مشتمل تحریر ہے اور اس کی اپنی کوئی قدر و قیمت (Value) نہیں۔ البتہ اس کے پشت پر اتنی مالیت جاری کنندہ کے پاس بصورت زر نقد موجود ہے۔

اس طرح کرنسی نوٹ پر لکھی ہوئی اس عبارت پر محض جاری کنندہ کی ساکھ کی بناء پر اعتماد کیا جانے لگا اور یہ اعتماد بڑھتا رہا۔ تا آنکہ ایک وقت ایسا آیا کہ ضامن نے کرنسی نوٹ پر درج ضمانت کو پورا کرنے سے انکار کردیا اور کرنسی نوٹ پر درج عبارت وعدہ و ضمانت محض رسمی تحریر رہ گئی۔ بعض حکومتوں نے تو اعلانیہ کہہ دیا کہ وہ کاغذی نوٹ پر درج معاہدہ (ادائیگی زر نقد) کی پابند نہیں۔ ماسوا ان صورتوں میں جب کہ مطلوبہ رقم کی مقدار بہت زیادہ ہو۔ اس قسم کی وعدہ خلافی کی مثال بینک آف انگلینڈ نے قائم کی۔ جس نے نوٹوں پر تو اس قسم کی تحریر درج کی مگر عملاً" اس کی پاس داری سے دستبرداری کا اعلان کردیا۔ ایک سو سال سے زائد کا عرصہ اس طرح گزر گیا کہ کرنسی نوٹ محض رسمی تحریری وعدہ کے حامل رہے ماسوا چند استثنائی صورتوں کے کہ جن میں بالفعل نوٹوں پر درج مالیت کے برابر نقد ثمن ادا کیا گیا۔ ورنہ عمومی طور پر ان نوٹوں کے عوض سونے چاندی یا معدنی دراہم و دنانیر کی ادائیگی روک دی گئی۔ خصوصاً ۱۷۹۷ء اور ۱۸۱۹ء کی جنگوں کے دوران تو کوئی ادائیگی نہیں ہوئی اس طرح ۱۹۱۴ء کی پہلی عالمی جنگ کے دوران بھی ادائیگی مکمل طور پر بند رہی۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں کرنسی :۔

۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۵ء کا عرصہ اس طرح گزرا کہ کرنسی نوٹوں کی مالیت کے مساوی سونا چاندی یا معدن بینک میں نہ موجود تھی اور نہ ہی نوٹوں کا کسی معدنی متبادل سے کوئی تعلق (Link) تھا۔ ۱۹۲۵ء میں کرنسی نوٹوں کی (Value) کو سونے سے منسلک کیا گیا اور یہ شرط عائد کی گئی کہ کرنسی نوٹوں پر درج معاہدہ (یعنی ادائیگی ثمن) کی پابندی صرف ان صورتوں میں ہوگی جن میں مطلوبہ رقم سترہ سو پاؤنڈ یا اس سے زیادہ ہو۔ یہ صورتحال کئی برس تک برقرار رہی تا آنکہ ۱۹۳۱ء میں واضح طور پر اعلان کردیا گیا کہ اب کرنسی نوٹوں کی اعتباری قیمت (Face Value) کے پیچھے اتنی قیمت کے سونے کا ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ نوٹوں پر ضمانتی تحریریں اس طرح لکھی جانے لگیں۔

"عند الطلب حامل ھذا کو مبلغ..... ادا کرنے کا پابند ہوں"

مگر اس عبارت میں صرف زبانی کلامی ادائیگی ہی کا وعدہ تھا نہ کہ حقیقی و عملی کا چنانچہ پروفیسر جے ایف کراوَوذر نے لکھا ہے(۴) کہ ۱۹۳۱ء میں جب دوسری بار بینک آف انگلینڈ نے کرنسی کا تعلق سونے سے ختم کردیا اور سترہ سو پاؤنڈ یا اس سے زائد رقم کی ادائیگی بصورت سونا معدن کو بھی ختم کردیا تو کرنسی نوٹوں کی حیثیت کاغذ کے ایسے پرزوں کی سی ہوگئی جو اپنی قدر (Value) کھوچکے ہوں اور جب کبھی ان کاغذ کے پرزوں کو بینک آف انگلینڈ میں اس غرض سے پیش کیا جاتا کہ بینک ان پر درج وعدہ ضمانت کی ادائیگی کرے (جو کہ ان الفاظ میں درج ہوتی تھی)۔

"اس نوٹ کے بدلے ایک پاؤنڈ رقم کے برابر سونا ادا کروں گا" تو بینک زیادہ سے زیادہ یہ کرتا کہ اس کے بدلے یا تو کاغذ کے دیگر پرزے (نوٹ) دے دیتا یا چاندی کے سکے۔

اس طرح کرنسی نوٹ کا معدن (سونا) سے تعلق ختم ہوگیا یعنی اب کاغذی نوٹ کی اپنی ایک (اعتباری) قیمت ہوگئی اور وہ جو معدن (سونے) کی مقدار کے مطابق اس کی حیثیت تھی وہ ختم کردی گئی۔

ماہرین اقتصادیات کہتے ہیں کہ کاغذی کرنسی نوٹوں کے بدلے اگر معدنی کرنسی کا ہونا لازمی قرار دے دیا جائے اگرچہ اس لازمی قرار دینے کا اثر کچھ نہیں ہوگا۔ پھر بھی ایک فائدہ ہے اور وہ یہ کہ کرنسی جاری کرنے والی ایجنسیاں کرنسی کی مقدار کی کوئی حد مقرر کریں گی اور یہ ان کے لئے ایک یاد دہانی ہوگی کہ کرنسی جاری کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کے پاس اس کرنسی کی پشت پر کچھ نہ کچھ ضمانت ہو اگرچہ وہ حقیقی ہو یا کاغذی (جیسے مستندات و مسکوکات)۔ اسی پر بات کرتے ہوئے پروفیسر کراوَذر اپنی کتاب الموجز میں(۵) کرنسی کی زیادہ مقدار جاری کرنے کے نقصانات کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

اس قسم کے خطرات و نقصانات سے بچنے کا یہ کوئی واحد اور مثالی حل نہیں کہ ہم کاغذی کرنسی کے عوض لازمی طور پر معدن (جیسے سونا وغیرہ) اسٹاک کرکے رکھیں' بلکہ اس کے لئے کئی اور بھی انتظامات کئے جاسکتے ہیں اور کرنسی کی مقدار کو محدود کرکے بھی یہ مقصد حاصل کیا جاسکتا ہے' اس طرح جو کاغذی کرنسی جاری ہوگی وہ ہر طرح سے محفوظ اور قابل اعتبار ہوگی جیسا کہ ۱۹۳۱ء سے برطانیہ میں کئے جانے والے تجربہ سے ظاہر ہے۔

تیسری بحث

کاغذی کرنسی کی اساس :۔

اس میں شک نہیں کہ کسی بھی ایسی کرنسی کے لئے جو ایک عام وسیلہ تبادل ہو' ایک ایسی ضمانت کا ہونا ضروری ہے جس سے اس پر بھروسہ کیا جاسکے اور اسے ایک کامل قوت خرید کی حیثیت حاصل ہوسکے۔ یہ ضمانت یا تو خود اس کرنسی میں بذات خود ہونی چاہئے جیسے سونے یا چاندی میں ہے۔ کیونکہ ان کی اپنی ذاتی قیمت اتنی ہے جتنی اسے بطور کرنسی حاصل ہے۔ یا پھر کوئی اور ایسا جوہر ہونا چاہئے جو کرنسی کو قوت دے اور اس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہو یہ جوہر کوئی مادی چیز بھی ہوسکتی ہے جیسے کرنسی نوٹوں کی پشت پر مکمل طور پر کسی معدن مثلاً" سونا یا چاندی کا ہونا یا کسی جائیداد کا ہونا یا تجارتی کاغذات یا حصص یا مسکوکات وغیرہ کا پایا جانا۔ اور یہ جوہر سرکاری اثر و نفوذ اور قانونی طاقت کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے اور یہ صرف ایسے ہی حالات میں ہوتا ہے جب سیاسی انتشار و بحران کی کیفیت ہو' جیسا کہ ۱۹۴۶ء میں جب انگلینڈ' جرمنی کے ساتھ جنگ میں الجھا ہوا تھا' تو انگلینڈ کو اپنی کرنسی کی پشت مضبوط کرنے کے لئے بینک آف انگلینڈ سے سرکاری کاغذات و مستندات کے عوض سونا خریدنا پڑا۔ ان کاغذات کی حیثیت ایسی ہی تھی جیسے کاغذی کرنسی کے پیچھے کوئی حقیقی مال نہ ہو بلکہ اس کی قدر کو باقی رکھنے کے لئے کاغذات کی ضمانت ہو جو کسی حقیقی قیمت سے عاری ہوں۔

کبھی یہ جوہر جو کرنسی کی پشت پر ہوتا ہے کوئی محسوس مادی شئی اور سرکاری ساکھ بھی ہوسکتی ہے اس طرح کچھ کرنسی کی پشت پر حقیقی مادی شئی ہوگی اور کچھ کو محض سرکاری ساکھ کی پشت پناہی حاصل ہوگی اور اس کے مقابل کوئی حقیقی چیز نہ ہوگی اور ممکن ہے کرنسی کا یہ حصہ جو محض سرکاری پشت پناہی والا ہے یہی زیادہ ہو۔

اس میں شک نہیں کہ وہ کرنسی جو سونے چاندی سے بنی ہو اس کے بارے میں یہ سوال نہ

کیا جائے گا کہ اس کی پشت پر کونسی ضمانت ہے کیونکہ وہ بذات خود اپنی ضامن ہے۔ مگر جس کی پشت پناہی کے بارے میں پوچھا جائے گا اور پشت پناہی کرنے والی چیز کے بارے میں سوال ہو گا وہ کاغذی کرنسی ہی ہے۔ کیونکہ یہ اپنی ذات کے اعتبار سے بہت ہی معمولی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی اصل قیمت اور اعتباری قیمت میں کوئی تناسب نہیں الا یہ کہ بہت ہی بڑے بڑے فرق کے ساتھ یہ تناسب ہو۔

کاغذی کرنسی کی ارتقائی تاریخ بیان کرتے ہوئے ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اس کی ابتدائی صورت محض معدنی کرنسی کی ضمانت یا ضمانتی رسید کی تھی اور ان کاغذات پر درج عبارت کا مقصد ایک عہد تھا کہ اس کے بدلے حقیقی کرنسی **عندالطلب** ادا کی جائے گی اور ان کاغذی رسیدوں کے مقابل اصل کرنسی، جاری کنندہ کے پاس محفوظ رہتی تھی، مگر جب کاغذی کرنسی جاری کرنے والوں نے یہ محسوس کیا کہ ان کی جاری کردہ رسیدوں (کاغذی نوٹوں) کا ایک بڑا حصہ ایسا ہے کہ جس کے بدلے کبھی کسی نے آکر ان سے نہیں پوچھا کہ اس کے مقابل آپ کے خزانہ میں اصل زر محفوظ ہے یا نہیں۔ بلکہ لوگ ان رسیدوں پر اعتماد کرتے ہوئے انہیں سے لین دین کرنے لگے ہیں تو انہوں نے کچھ رسیدیں (یا کاغذی کرنسی) ایسی بھی جاری کردیں جن کے مقابل ان کے پاس معدنی کرنسی یا سونا چاندی نہ تھا۔ اور یہ رسیدیں یا تجارتی و کاروباری کاغذات کرنسی کے طور پر چلتے رہے۔ پھر جب حکومت نے کرنسی کے اجراء کا معاملہ اپنے ہاتھ میں لیا اور کاغذی کرنسی جاری کی تو اس نے بھی وہی محسوس کیا جو ان کرنسی جاری کرنے والوں نے محسوس کیا تھا کہ پوری کاغذی کرنسی کی پشت پر حقیقی کرنسی (معدن) کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ کاغذی کرنسی کے ایک بڑے حصے کے پیچھے محض سرکاری ساکھ یا مستندات و مسکوکات کا ہونا کافی ہے۔ چنانچہ بینک آف انگلینڈ اس کی ایک زندہ مثال ہے کہ جب اسے کرنسی جاری کرنے کا حق دیا گیا تو اسے اس بات کی اجازت دی گئی کہ وہ بغیر کسی مضبوط مالی پشت پناہی کے چودہ ملین آسٹریلین پونڈ کی کاغذی کرنسی (سونے کے احتیاطی ذخائر کے بغیر) جاری کرسکتا ہے اور یہ بھی حق دیا گیا کہ وہ سونے کے بدلے بینک نوٹ جاری کرے اور جب کبھی کوئی شخص ان نوٹوں کے بدلے سونا مانگے تو اسے ادا کرے، پھر بینک کو یہ بھی اختیار دے دیا گیا کہ وہ بوقت ضرورت چاہے تو بینک نوٹ کے عوض سونا نہ دے۔

انگلینڈ پر بہت سے اقتصادی بحران آئے ہیں جن میں عوام کا کاغذی کرنسی پر سے اعتماد ختم ہوا اور وہ کاغذی نوٹوں کے بدلے بینک سے سونے کے طالب ہوئے اور ان حالات میں بینک نے اپنا حق استعمال کیا اور نوٹوں کے عوض سونا نہیں دیا اور حکومت کو اس سے مطلع کرکے وقتی طور پر اس نے یہ حق استعمال کیا اور اس طرح کے واقعات ۱۸۵۷ء، ۱۸۶۶ء، ۱۹۱۴ء، ۱۹۳۱ء میں پیش آئے جبکہ فرانس میں پہلی ضرورت ۱۸۴۸ء اور ۱۸۵۰ء کے مابین پیش آئی۔ کولمبیا نے

۱۸۹۵ء میں، پرتگال نے مالی بحرانوں کے دوران ۱۸۴۸ء میں اٹلی نے ۱۸۹۴ء میں، ارجنٹائن نے ۱۸۷۶ء اور ۱۸۸۵ء کے دوران یہی طریقہ اپنایا۔ (دیکھئے مبادی الاقتصاد السیاسی، ڈاکٹر رفعت المحجوب اور ڈاکٹر عاطف صدقی)

۱۹۱۳ء میں انگلینڈ میں کرنسی نوٹوں کے بدلے سونے کی ادائیگی کا نظام کلی طور پر ختم کردیا گیا۔ امریکہ نے بھی اسی نہج کو ۱۹۳۴ء میں اپنایا۔ سونے سے کرنسی کا تعلق ختم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ بینکوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ جتنی کاغذی کرنسی چاہیں (بغیر کسی پشت پناہ حقیقی مال کے) جاری کرسکتے ہیں۔

اس آزادی کے نتائج کا تذکرہ کرتے ہوئے پروفیسر ج ف کراوذر اپنی کتاب الموجز(۶) میں لکھتے ہیں : ۱۲ اپریل ۱۹۴۷ء میں برطانوی کرنسی کی پوزیشن یہ تھی کہ کاغذی نوٹوں کی مالیت ایک ہزار چارسو ملین پونڈ(برطانوی) تک پہنچ چکی تھی اور ان کی پشت پر کوئی حقیقی سرمایہ نہ تھا۔ اور ۱۶۹۹۲۰۷۵۳ برطانوی پاؤنڈ بینک آف انگلینڈ کے خزانے میں موجود تھے جبکہ ان کو مالی تحفظ دینے والا حقیقی سرمایہ جو احتیاطی سونے کی شکل میں اس تاریخ کو موجود تھا اس کی مقدار صرف ۲۴۷۸۳۳ برطانوی پاؤنڈ کے برابر تھی اور یہ بھی اس لئے موجود تھا کہ کرنسی جاری کرنے کے قانون میں یہ بات ابھی مذکور تھی کہ کرنسی کے مقابل کچھ نہ کچھ حقیقی سونا احتیاطا" بینک میں ہونا چاہئے۔ پھر پروفیسر کراوذر کہتے ہیں اسی طرح امریکہ میں بھی یہ قانون تھا کہ بینک کی جاری کردہ کاغذی کرنسی کے کم از کم ۴۰ فی صد حصے کے مقابل بینک میں احتیاطی سونا یا سونے کی مالیت کے کاغذات کا ہونا ضروری ہے۔ پروفیسر وھیب مسیحہ اپنی کتاب قصۃ النقود (۷) میں کرنسی کی مالی پشت پناہی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فرانس نے بھی اپنے کرنسی جاری کرنے کے قانون میں ۱۹۲۸ء میں تبدیلی کرتے ہوئے یہ قرار دیا کہ بینک سے جاری کی جانے والی کرنسی کے ۳۵ فی صد کے مقابل مالی مسکوکات یا سونا بینک کے پاس ضرور ہونا چاہئے۔ جبکہ جرمنی کے قانون اجراء کرنسی نے بینک کے جاری کردہ بینک نوٹوں کے چالیس فی صد حصہ کے مقابل سونا بینک میں رکھنا لازمی قرار دیا۔

مندرجہ بالا شواہد سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ پوری کرنسی کے مقابل بینکوں میں سونے کی موجودگی اب قانونی طور پر لازمی نہیں رہی جاری کردہ کاغذی کرنسی کے کچھ حصہ کے مقابل مال یا سونا موجود ہونا کافی ہے تاکہ کاغذی کرنسی کے جاری کرنے والے بے تحاشا کرنسی جاری نہ کر دیں بلکہ کسی حد میں رہیں۔

اب رہا اس سوال کا جواب کہ کرنسی کی پشت پر موجود اس سونے کی حیثیت کیا ہوگی؟ حقیقت یہ ہے کہ عالمی سطح پر ایسا کوئی بین الاقوامی قانون نہیں جو کاغذی کرنسی کی پشت پر اموال کی موجودگی اور بالخصوص کسی خاص قسم کے مال کی موجودگی کو لازمی قرار دیتا ہو، تاہم اکثر

ممالک نے سونے ہی کو اس کام کے لئے مخصوص کیا ہے جبکہ بعض ممالک ایسے بھی ہیں جہاں سونے کی بجائے تجارتی مستندات کو کرنسی کی پشت پر کافی سمجھا گیا اور ان مستندات کو کسی وقت بھی غیر ملکی منڈیوں میں کیش کرایا جاسکتا ہے ایسے ممالک جن کا نظام تجارتی مستندات پر قائم ہے ان میں وہ ممالک نمایاں ہیں جن کی کرنسی کی وابستگی آسٹریلین پاؤنڈ یا امریکی ڈالر کے ساتھ ہے۔

جائیداد بھی کرنسی کی پشت پناہی کر سکتی ہے جیسا کہ جرمنی نے کیا' پروفیسر ج ف کراؤذر نے اپنی کتاب الموجز (۸) میں کرنسی کی اقتصادی صورت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے :

۱۹۲۳ء میں جب جرمن عوام کا اعتماد جرمن کرنسی پر نہ رہا جس کا سبب کرنسی کا بے تحاشا اجراء تھا اور لوگوں کی دلچسپی ایک ایسی کرنسی میں پیدا ہونے لگی جو کم ہو مگر طاقتور اور مالی لحاظ سے مضبوط ہو تو جرمن سرکار نے نئی کرنسی رینٹ مارک کے نام سے جاری کی اور اس کی پشت پر زرعی اراضی کو بطور مال استعمال کیا۔

بہر صورت کرنسی کی پشت پر سونا ہو یا چاندی' زیورات و جواہرات ہوں یا جائیداد' مالی مستندات ہوں یا کچھ اور' کرنسی کو ان تمام چیزوں کے مقابل نہیں کہا جاسکتا اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کرنسی ان سے نکلی ہے۔ بلکہ کرنسی کی ساکھ دراصل وہ ہے جو عوامی اعتماد و تائید اور جاری کرنے والے اداروں کی ایک حد میں رہنے کی صورت میں اسے حاصل ہے۔ ڈاکٹر رفعت محجوب اور ڈاکٹر عاطف صدقی نے اپنی کتاب مبادی الاقتصاد السیاسی میں کہا ہے :

"یہ دو اعتبار بھی اپنی اہمیت کھوچکے۔ جہاں تک کرنسی جاری کرنے والے اداروں کی بات ہے تو اب کرنسی جاری کرنے والے ادارے حکومتوں کے کنٹرول میں ہیں یا خود حکومت کرنسی جاری کرتی ہے اور رہی بات عوامی تائید اور اعتماد کی تو یہ ناممکن ہے کہ کرنسی استعمال کرنے والا کوئی شخص بھی دل میں یہ بات سوچتا ہو کہ ان کرنسی نوٹوں کے مقابل بینک میں کوئی سرمایہ محفوظ ہے اور جبکہ اس سرمایہ پر کسی شخص کو کوئی حق ملکیت و تصرف بھی حاصل نہیں کیونکہ اب کرنسی پر لکھی ہوئی ادائیگی کے وعدہ کی تحریر کی وہ حیثیت ختم ہوچکی جو کسی زمانہ میں اسے حاصل تھی۔

چوتھی بحث

کرنسی کے قابل تبادلہ اور قابل قبول ہونے کا راز:۔

ماہرین اقتصادیات نے کرنسی کے قابل قبول اور قابل تبادلہ ہونے کے سلسلہ میں خاصی بحث و تحقیق کی ہے اور اس کی کوئی خاص وجہ (Reason) متعین کرنے میں وہ مختلف الخیال واقع ہوئے ہیں۔ ان کے اس اختلاف کی وجہ سے تین بنیادی نظریات نے جنم لیا ہے، ممکن ہے ان میں سے ہر نظریہ اپنے اپنے وقت ظہور میں صحیح رہا ہو۔

پہلا نظریہ : مادی

ان تین نظریات میں سے قدیم ترین نظریہ یہ ہے کہ کرنسی ایک ایسا مادہ ہے جس کی اپنی ایک ذاتی حیثیت و قیمت ہے اور جو سرکاری حکم اور عرف عام کے بموجب قابل تبادلہ عام ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ کرنسی ایک ایسی مادی شے ہے جس کی اپنی ایک ذاتی قیمت بھی ہے۔ اگرچہ اسے (سرکاری طور پر) کرنسی قرار نہ بھی دیا جائے اور کرنسی قرار دیئے جانے سے قبل بھی اس میں ایسی خوبی موجود تھی کہ جس کی بناء پر لوگوں میں وہ قابل قبول تھی جیسے سونا، چاندی یا تانبہ وغیرہ کہ ان کے اگر سکے نہ بھی ہوں اور ان کی دھاتوں سے کرنسی نہ بھی بنائی جائے۔ جب بھی ان کی اپنی ایک قیمت (Value) ہے اور کرنسی قرار دیئے جانے یا باہمی لین دین کے لئے اسے ایک قابل اعتماد زر مبادلہ قرار دیئے جانے سے ان کی ذاتی قدر میں کوئی امتیازی حیثیت پیدا نہیں ہوتی بلکہ کرنسی قرار دیئے جانے کی وجہ سے محض ان (دھاتوں) کا درجہ بڑھ گیا۔ اس نظریہ کو معدنی نظریہ (Metallic Idea) کہا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے حامل ماہرین میں سے ایک امریکی ماہر کوناٹ (Co Nant) ہیں جو اپنی کتاب "کرنسی اور کیش" میں کہتے ہیں :

"کرنسی ایک ایسا زر مبادلہ ہے جو اشیاء کے لین دین میں استعمال ہوتا ہے۔ جس کی اپنی

ایک قدر (Value) ہے اور جسے قانون یا عرف نے قرضوں کی ادائیگی کا ایک وسیلہ قرار دیا ہے"(۹)

اس نظریہ کے مطابق کاغذی کرنسی، زر مبادلہ سے نکل جاتی ہے اور اسے یہ نظریہ صرف ایک دستاویز زر قرار دیتا ہے۔ اس نظریہ کو پروفیسر رابرٹ بیل (Robert Bel) نے اس طرح بیان کیا :

"آسٹریلین پاؤنڈ، سونے کا ایک ٹکڑا ہے جس پر مختلف اشارات درج ہیں جو اس کے وزن اور گرامیج (Gramage) کو ظاہر کرتے ہیں، چنانچہ جب کسی شخص سے ایک آسٹریلین پاؤنڈ دیئے جانے کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو گویا اسے اتنی مقدار سونے کی ادائیگی کا وعدہ کیا جاتا ہے"(۱۰)

انیسویں (۱۹) صدی کے دوران یہی نظریہ ایک صحیح اور حقیقی نظریہ مانا گیا تاہم کاغذی کرنسی نوٹوں کی حیثیت مستحکم ہو جانے اور مختلف بینکوں کی طرف سے بغیر زر حقیقی کی موجودگی کے کرنسی نوٹوں کے اجراء کے بعد یہ نظریہ محض ایک تاریخی واقعہ بن کر رہ گیا۔

اس نظریہ پر ایک تنقیدی نظر

اس نظریہ کے کمزور ہونے کی ایک ظاہری وجہ تو یہ ہے کہ اس میں حقیقت سے اجتناب موجود ہے۔ کیونکہ اس نظریہ کے مطابق تو کاغذی نوٹ معتبر کرنسی کی فہرست سے ہی خارج ہیں کہ ان کاغذوں کی اپنی کوئی ذاتی قدر (Value) نہیں اور یہ محض خوبصورت تحریروں، نقش و نگار اور تصاویر پر مبنی کاغذوں کے پرزے ہیں۔

کاغذی کرنسی کی ذاتی قدر :۔ کاغذی نوٹوں کی اگرچہ ذاتی طور پر کوئی قدر نہیں لیکن بہر کیف یہ کرنسی کی تعریف میں تو آتے ہیں اور اس دور میں تو دنیا کے مبادلات، تجارت، گارنٹی اور سیونگ کے معاملات میں ان کا رول (Role) بہت اہم ہے، بلکہ اگر ہم یوں کہیں کہ کاغذی کرنسی نے اپنی خوبی تبادلہ، قبولیت عامہ اور دنیا بھر میں پھیلاؤ کی بناء پر تمام قابل قدر (Valueable) کرنسیوں پر غلبہ پالیا ہے۔ تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ پھر اب تو ماہرین اقتصادیات کے ہاں کرنسی کی تعریف یہ ہے کہ "کوئی ایسی شے جو لوگوں میں بطور زر مبادلہ مقبول عام ہو" چنانچہ کرنسی کا لفظ اب صرف کسی قابل قدر شے کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس کا اطلاق عام ہے خواہ وہ شے فی نفسہ قیمتی ہو یا نہ ہو اگر اسے کرنسی قرار دے دیا گیا ہے تو وہ کرنسی ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ کرنسی نوٹ تو دراصل اس وجہ سے قابل اعتماد ہیں کہ ان کے پیچھے ایک قیمتی دھات (جیسے سونا چاندی وغیرہ) کی ضمانت موجود ہے جو اس کاغذی نوٹ کی اصل قدر ہے جیسا کہ نوٹوں پر لکھا ہوتا ہے کہ (اس کے بدلے حامل ہذا کو اتنی قیمت ادا کی جائے گی) تو اس کا

جواب یہ ہے کہ ماہرین اقتصادیات کے ہاں اب یہ بات طے شدہ ہے کہ کرنسی نوٹ بغیر اس مقدار مع (سونا چاندی) کے بھی جاری کئے جاسکتے ہیں جو ان کرنسی نوٹوں کے پیچھے (اسٹیٹ بینک میں) ہونی چاہئے اور اس طرح کے جاری کردہ نوٹ بھی اسی طرح (Valuable) قابل قدر ہوں گے جس طرح کہ وہ نوٹ جن کے مقابل سونا چاندی (سرکاری خزانہ میں) محفوظ ہو' کیونکہ کرنسی دراصل وہ شے ہے جس میں ذاتی قدر موجود ہو یا اس کے پیچھے حکومتی ضمانت ہو جیسا کہ کرنسی نوٹوں میں یہ بات پائی جاتی ہے۔

مسٹر کوغارو نے بھی کرنسی کی تعریف میں یہ بات کہی ہے کہ کرنسی لینے والا شخص دراصل اس ضمانت پر اعتبار کرتا ہے جو اس کرنسی کو حکومت کی طرف سے حاصل ہوتی ہے اور اسے صرف اس بات سے غرض ہے کہ وہ اس کرنسی کے بدلے جو سامان حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اسے مل جائے (۱۱)

رہی یہ بات کہ کرنسی نوٹوں پر جو عبارت درج ہوتی ہے کہ "عندالطلب حامل کو اتنی قیمت (بصورت سونا چاندی) ادا کی جائے گی تو اس پر نہ کوئی توجہ دیتا ہے اور نہ کسی کو اس کی ضرورت پیش آتی ہے۔ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ کرنسی نوٹ کے پیچھے اصل مالی قدر (سونا چاندی) موجود نہیں۔ اسے عام لین دین میں بطور جنس مبادلہ استعمال کرتے ہیں۔

دوسرا نظریہ : نظریہ سلطانی

کرنسی کے بارے میں دوسرا نظریہ یہ ہے کہ کرنسی کی قدر (Value) دراصل حکومت و سلطنت کے قانون کی رو سے طے ہوتی ہے اور کرنسی کی وہی قیمت سمجھی جاتی ہے جو اسے جاری کرنے والا ادارہ یا ریاست مقرر کرتا ہے۔ اگرچہ فی نفسہ اس کرنسی کی اپنی کوئی (مادی) حیثیت ہو یا نہ ہو۔ حکومت ہی کرنسی جاری کرتی ہے' وہی اس کی مختلف حیثیتیں متعین کرتی ہے اور وہی اسے بطوبر جنس مبادلہ رائج کرتی ہے عوام کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ حکومت یا ریاست نے اس کرنسی کے لئے کس قسم کے معدن یا مواد (Material) استعمال کیا ہے' سستا والا یا مہنگی قسم کا؟

یہ نظریہ قرون وسطی میں اس وقت معروف و مروج رہا جب حکام کرنسی جاری کرتے اور اس کی کوئی مخصوص قیمت Value بھی مقرر کرتے تھے' پھر اس نظریہ پر معدنی نظریہ چھا گیا' مگر جلد ہی اس نظریہ کی غلطی سامنے آئی اور اس کی جگہ سلطانی نظریہ نے لے لی۔ اس نظریہ کے حامیوں میں سے ایک جرمن ماہر اقتصادیات مسٹر ناب ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں :

"کرنسی' حکومتی معاملہ ہے' وہی اس کی قیمت اور قوت خرید کا تعین کرتی ہے اور کسی بھی کرنسی کے کسی یونٹ یا اکائی کی قیمت ذاتی نہیں ہوتی بلکہ جو قیمت اسے قانونا" دے دی جاتی

ہے وہی اس کی قیمت کہلاتی ہے"۱۲)

اس نظریہ پر تنقید :

اس میں کوئی شک نہیں کہ ریاست کو اقتدار حاصل ہے مگر ریاست کا اقتدار کتنا بھی طاقتور (Powerful) اور وسیع کیوں نہ ہو بہر کیف محدود ہی ہوتا ہے۔ کوئی بھی حکومت اپنے اسلحہ کے بل بوتے پر اپنی ریاست کی حدود میں مخالفین کو دبانے کے لئے کتنی بھی طاقتور کیوں نہ ہو' بہر کیف ایسے عناصر بھی ہوتے ہیں جن کا مقابلہ خود حکومت کے لئے بعض مشکلات پیدا کرتا ہے۔ کرنسی کا معاملہ بھی اسی طرح کا ہے کہ کرنسی کو عوام میں جو مقبولیت حاصل ہوتی ہے وہ اس کی پشت (Back) پر حکومتی ضمانت کی بناء پر ہے نہ کہ اس کرنسی کی ذاتی خوبی یا قیمت کی بناء پر۔ کبھی ایسا بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ حکومت کی مقرر کردہ قیمت کرنسی کو قبول عام خاص نہ ہونے پائے اور حکومت مکمل طور پر کرنسی کی قیمت کو نافذ کرنے میں کامیاب نہ ہو۔ چنانچہ حکومت کے لئے لازمی ہے کہ وہ قوانین میں ایسی فنی خوبیاں اور نظم ریاست میں ایسا اہتمام کرے کہ ریاستی عوام کی اکثریت عامہ' حکومت کی مقرر کردہ قیمت (Value) کو تسلیم کرے اور اسی کے مطابق اس کی جاری کردہ کرنسی سے لین دین کرے اور حکومت اس باغی عنصر کی جانب متوجہ رہے جو کبھی بھی فساد کھڑا کر سکتا ہو' پھر خود حکومت جب کسی کرنسی کی کوئی قیمت مقرر کردے تو اسے چاہئے کہ وہ خود بھی لازمی طور پر اس پر عمل پیرا ہو' تاکہ اس کرنسی کو حکومتی اعتماد' سرپرستی اور اس کے نتیجہ میں قبول عام حاصل ہو اور وہ کرنسی پھر حکومت کی دولت' اشیاء کی قیمتوں کے تعین کا پیمانہ اور تبادل عام کا ذریعہ بن سکے' بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ریاستی حدود کے باہر بیرونی ممالک سے لین دین کا ذریعہ بن سکے۔ یہ تو اس کا ایک پہلو ہے جبکہ دوسرا پہلو یہ ہے کہ تاریخی طور پر یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اس نظریہ کی مخالفت کی گئی۔ چنانچہ کرنسی نوٹوں کا اجراء' پرائیویٹ بینکوں کے ذریعہ ہوتا رہا اور حکومت یا ریاست کا کرنسی جاری کرنے کے عمل سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ مگر اس کے باوجود ان کرنسی نوٹوں کو عوام کے مختلف طبقات کے اعتماد اور بھروسہ کی ضرورت تھی' اس نظریہ کے فاسد ہونے کی ایک مضبوط دلیل وہ تاریخی واقعہ ہے جو ۱۹۲۳ء میں پیش آیا جب جرمنی کے لوگوں نے جرمن مارک پر اعتماد کرنا چھوڑ دیا۔ حالانکہ وہ ایک قانونی کرنسی تھی' لیکن کرنسی کے بے تحاشا اجراء نے اس پر سے پبلک کے اعتماد کو ختم کردیا' چنانچہ حکومت نے ایک نئی کرنسی رنٹمارک (Rentmark) کے نام سے جاری کی [illegible] کی پشت (Back) پر زرعی اراضی کی قدر (Value) موجود تھی' اس نئی کرنسی کے [illegible] لین حکومت نے لازمی قرار نہیں دیا بلکہ اختیاری رکھا۔ چنانچہ عوام نے اس کرنسی (Mark) کا استعمال ترک کردیا جسے قانونی طور پر کرنسی قرار دیتے ہوئے لازمی ذریعہ تبادل قرار

دیا گیا تھا اور اس کرنسی (Rentmark) سے لین دین شروع کردیا جسے "قانوناً" لازمی ذریعہ تبادل قرار نہیں دیا گیا تھا۔

تیسرا نظریہ : نفسانی

اس نظریہ کی رو سے کرنسی کی تعریف یہ ہے کہ کرنسی ایک ایسی شے کا نام ہے جس کی قوت خرید پر اعتماد کیا جاسکتا ہو اور اسے قابل ذخیرہ ثروت تصور کیا جاسکتا ہو کاغذی کرنسی میں یہ دونوں وصف نہیں پائے جاتے کیونکہ کاغذ کے پرزوں (نوٹوں) کی خود اپنی کچھ نہ کچھ قیمت تو ہے چنانچہ اگر کسی چیز کو کرنسی قرار دیئے جانے کا معیار یہ مقرر کیا جائے تو کاغذی کرنسی کا کوئی اعتبار اور کوئی قدر نہ ہو جبکہ صورتحال یہ ہے کہ کاغذی نوٹ رکھنے والا شخص یہ بات جانتا ہے کہ اس کے بدلے اسے معدنی کرنسی ملنا یقینی نہیں اور یوں وہ دونوں وصف اس کاغذی کرنسی میں نہ پائے گئے کیونکہ اسے تو حکومت نے جاری کیا اور اس کے ساتھ لین دین کو لازمی قرار دیا ہے۔ چنانچہ جرمن مارک پر سے جرمن قوم کا اعتبار اٹھ جانا کوئی بعید از قیاس معاملہ نہیں۔ بلکہ یہ تو اس بات کی ایک واضح اور عملی دلیل ہے کہ کرنسی پر اعتبار کا معاملہ اس سے ماوراء ہے کہ اسے بحکم سرکار قابل اعتماد ٹھہرایا گیا ہے لوگ تو کرنسی پر اس لئے اعتماد کرتے ہیں کہ اس میں ایسی قوت خرید پائی جاتی ہے جس سے وہ مطمئن ہیں اور عوام کا اعتماد کاغذی کرنسی پر اس لئے نہیں ہوتا کہ وہ کسی معدنی کرنسی (سونے چاندی) کا بدل ہے جو عندالطلب انہیں مل سکتا ہے اور نہ ہی وہ اس لئے کاغذی کرنسی پر اعتماد کرتے ہیں کہ یہ حکومت کی جاری کردہ ہے بلکہ اس پر اعتماد کے اسباب مختلف ہیں جیسے کرنسی کا کسی ایسے مواد سے بنا ہونا جو قیمتی ہے سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے اس کا استحکام مسلم ہونا اس کے اجراء میں ایک حد اعتدال کا پایا جانا اس پر کئے جانے والے اعتماد کو برقرار رکھنے کے اقدامات کا پایا جانا اس میں کھوٹ یا جعل سازی کی روک تھام کے لئے مناسب اہتمام ہونا اور اس کے اجراء میں حد سے تجاوز نہ کرنا شامل ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ نظریہ معتدل و مناسب ہے اور میرے خیال میں یہ ان اعتراضات و تنقیدات سے بھی مبرا ہے جو معدنی و سرکاری نظریات کرنسی پر کی جاتی ہیں۔ یہ نظریہ نہ تو کاغذی نوٹوں کو کرنسی کی تعریف سے خارج کرتا ہے۔ جیسا کہ معدنی نظریہ اور نہ ہی اس میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ اسے سرکار نے کرنسی قرار دیا ہے اس لئے اس میں قبولیت عامہ کی صفت موجود ہے جیسا کہ سلطانی نظریہ کرنسی میں ہے بلکہ اس کرنسی پر اعتماد کی وجوہات کچھ اور ہیں جن کی بناء پر یہ کرنسی قابل اعتماد قرار پاتی ہے۔

اب تک اس مضمون میں جن چار امور پر بحث کی گئی ان کا نتیجہ حسب ذیل ہے :

۱۔ کرنسی ہر اس شے کا نام ہے جسے جنس تبادلہ کے طور پر قبول عام حاصل ہو جائے۔

۲۔ کرنسی نوٹوں پر درج یہ عبارت کہ "حامل ہذا کو عندالطلب اتنی رقم (بصورت سونا' چاندی) ادا کی جائے گی" محض ایک ایسی تحریر ہے جو ماضی کی ایک یادداشت ہے۔ نہ کہ فی الواقع ادائیگی کی ضمانت۔ اور یہ کرنسی جاری کرنے والے ادارے کے لئے ایک طرح کی یاد دہانی ہے کہ اس کرنسی کی ایک قیمت ہے لہٰذا وہ اسے بلا حساب ہی جاری نہ کرتا رہے۔

۳۔ بغیر کسی زر حقیقی (سونا چاندی) کی موجودگی کے کاغذی کرنسی کا اجراء (قانوناً) جائز ہے ہاں البتہ کاغذی کرنسی کا اجراء کسی بھی ملک میں جاری شدہ کاغذی نوٹوں کی مقدار سے ۶۵ فیصد سے زائد نہ ہو۔

۴۔ یہ ضروری نہیں کہ کرنسی نوٹ صرف اس صورت میں جاری کئے جائیں جب ان کے پیچھے سونا چاندی خزانے میں موجود ہو بلکہ یہ اجراء پراپرٹی اور مالی تمسکات کی بناء پر بھی ہو سکتا ہے۔

۵۔ کسی کرنسی کو کرنسی تسلیم کئے جانے کا دار و مدار اس بات پر نہیں کہ اس میں واقعتاً کرنسی ہونے کی خوبی ہے اور نہ ہی اسی بات پر ہے کہ اسے بحکم سرکار کرنسی قرار دیا گیا ہے۔ بلکہ کرنسی تسلیم کئے جانے کا دارومدار اس کرنسی میں قوت خرید پائے جانے کی وجہ سے لوگوں کے اس پر اعتماد کرنے پر ہے۔ اب یہ اعتماد خواہ اس کرنسی کے پیچھے پائی جانے والی قیمتی دھات کی وجہ سے ہو یا سرکاری سرپرستی حاصل ہونے کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔

یہ نتائج ہم نے اس لئے پیش کئے ہیں تاکہ آئندہ چل کر کرنسی نوٹوں کے سلسلہ میں جو حقیقت ہم واضح کرنا چاہتے ہیں اس کی وضاحت میں یہ مدد معاون ثابت ہوں۔

پانچویں بحث

"کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق فقہی نظریات"

حقیقت یہ ہے کہ قدیم فقہاء اسلام کے دور میں کاغذی نوٹوں کا رواج نہ تھا اور نہ ہی ان کے دور میں کاغذی نوٹ اسلامی ممالک یا ان کے پڑوسی ممالک میں رائج تھے ماسوائے اس کے کہ چین (China) کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہاں کاغذی کرنسی نوٹ زیر استعمال تھے اسی بناء پر یہ بات بھی مشہور ہے کہ کاغذی نوٹوں کو موضوع بحث و فتاویٰ سب سے پہلے ہندوستانی علماء نے بنایا۔

رہے متاخرین علماء و فقہا اسلام تو انہوں نے کاغذی کرنسی پر گفتگو اس دور میں کی ہے جس دور میں دیگر ممالک کی طرح اسلامی ممالک میں بھی ان کا رواج ہوا' چنانچہ فقہاء نے کاغذی کرنسی کے حوالے سے زکوۃ کے ضمن میں بھی گفتگو کی اور کرنسی نوٹوں کی بیع و شراء کے معاملات پر بھی لکھا۔ ان فقہاء کی آراء میں اختلاف بھی پایا جاتا ہے جو کہ کرنسی نوٹوں کی حقیقت سمجھنے کی بناء پر پیدا ہوا' ان فقہی اختلافات کو ہم چار اقوال میں سمیٹ سکتے ہیں اور انہیں چار فقہی نظریات بھی قرار دیا جاسکتا ہے۔

۱۔ کرنسی نوٹ بحیثیت دستاویز (Document)

اس نظریہ کے مطابق کرنسی نوٹ جاری کنندہ کی طرف سے دستاویز دین (قرض) ہے اس نظریہ کے حامی مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

۱۔ کرنسی نوٹ پر درج یہ وعدہ کہ "حامل ہذا کو عندالطلب مذکورہ رقم ادا کی جائے گی"۔

۲۔ کرنسی نوٹوں کے پیچھے جاری کنندہ کے خزانہ میں اتنی مالیت کی دھات (سونا چاندی) کی

موجودگی۔

۳۔ ان کاغذی پرزوں (نوٹوں) کی اپنی ذاتی قیمت کا نہ ہونا۔ ان کی قیمت کا تعین ان پر درج شدہ عدد سے کیا جاتا ہے نہ کہ اس کاغذی ٹکڑے کی بازار میں موجود ذاتی قیمت کی بناء پر اور یہ کہ ان کاغذی ٹکڑوں (نوٹوں) کے سائز بھی تقریباً ایک جیسے ہوتے ہیں جیسے دس پانچ کے نوٹ، جبکہ ان کی کرنسی ویلیو میں دوگنا بلکہ کئی گنا کا فرق ہوتا ہے۔

۴۔ کاغذی نوٹوں کی مقررہ قیمت اس وقت تک اتنی رہتی ہے جب تک حکومت اس کو اتنی قیمت کا قرار دے اور جب حکومت اس کی اس قیمت کو ختم کردے تو وہ محض کاغذی پرزہ رہ جاتا ہے اور لین دین میں اس کا استعمال ختم اور ممنوع ہوجاتا ہے۔

یہ نظریہ کئی اہل علم کا ہے، عالم اسلام کی قدیم ترین یونیورسٹی جامعہ الازہر کے علماء و اسکالرز بھی اسی نظریہ کے حامی رہے ہیں جیسا کہ جامعہ الازہر سے شائع ہونے والے مجلّہ "الازہر" کے ابتدائی شماروں میں بعض فتاویٰ اس سلسلہ میں شائع ہوچکے ہیں۔ اس نظریہ کے حامل علماء میں سے بطور مثال سید احمد **الحسینی** کا نام پیش کیا جاسکتا ہے۔ جنہوں نے اپنی کتاب "بہجت المشتاق فی بیان حکم زکاۃ احوال الاوراق" میں اس نظریہ پر مضبوط دلائل قائم کئے ہیں(۱۳) موصوف کہتے ہیں :

"یہ تمام کاغذی نوٹ سندات دین ہیں، چنانچہ اگر ہم بینک نوٹ کی اصطلاح پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرانسیسی اصطلاح ہے اور فرانسیسی زبان کی معروف قاموس "لاروس" کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ بینک کا کاغذ ایک ایسی کرنسی ہے جس کی حقیقی قیمت حامل کو ادا کی جائے گی۔ اس کو لین دین کے معاملات میں اس طرح استعمال کیا جاتا ہے جس طرح معدنی کرنسی کو۔ بس فرق یہ ہے کہ بینک نوٹ پر اعتماد کرنے کے لئے ایسی ضمانت درکار ہوتی ہے جو لوگوں کے لئے قابل بھروسہ ہو۔

لاروس کا اس عبارت میں یہ کہنا کہ یہ ایک ایسی کرنسی ہے جس کی حقیقی قیمت حامل کو عندالطلب ادا کی جائے گی۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بلاشبہ دین (قرض) کی دستاویز ہے۔ اگر چہ اس کے لین دین کے معاملات میں اس کا اعتبار نہ بھی کیا جاتا ہو۔ جیسا کہ معدنی کرنسی میں ہوتا ہے کیونکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لوگ اسے حقیقی قیمت کے متبادل کے طور پر قبول کریں، یہ جانتے ہوئے کہ اس کی قیمت ادا کی جائے گی اور یہ کہ اس ادائیگی کی ضمانت موجود ہے یہ معاملہ واضح کرتا ہے کہ بینک نوٹ دستاویز دین (قرض) ہے اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ کاغذ کا یہ پرزہ (نوٹ) بذات خود اپنے اندر جنس قابل تبادلہ کے صلاحیت رکھتا ہو۔ اس سے قطع نظر کہ جاری کنندہ نے اس کی کیا قیمت مقرر کی ہے اور کتنی قیمت حامل کو اس کے بدلے ادا کرنے کی ضمانت دی ہے۔ کیونکہ یہ کاغذ اگر بذات خود کوئی قیمتی شے ہوتی تو جاری کنندہ کو یہ

ضمانت دینے کی ضرورت ہی نہ تھی کہ عندالطلب وہ اس کے بدلے اتنی رقم یا حقیقی قیمت ادا کرے گا اور جاری کنندہ کو ان کرنسی نوٹوں کے مقابل اصل زر اپنے خزانوں میں روکنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ یہ صرف اس صورت میں ہے کہ کرنسی نوٹ کی اپنی کوئی قیمت نہیں بلکہ اس کی پشت پر موجود اصل زر جاری کنندہ کے پاس محفوظ ہے اور اس نے یہ اقرار کیا ہے کہ جب بھی اس سے بینک نوٹ کی اصل قیمت طلب کی گئی وہ ادا کرے گا' اس کے برعکس معدنی کرنسی میں یہ بات نہیں **مثلاً** "اگر سونے کا ایک ٹکڑا کرنسی قرار پائے تو ایسا نہیں ہوگا کہ جاری کنندہ کو یہ ضمانت دینی پڑے کہ وہ حامل کو **عندالطلب** اس کے بدلے ایک ٹکڑا سونے کا دے گا' کیونکہ سونا بذات خود اتنی قیمت کا ہے جو اس کی بطور کرنسی مقرر کی جائے۔ جبکہ کاغذی نوٹ کے بدلے قیمت کی ادائیگی کا صرف وعدہ ہے۔

نوٹوں کی ویلیو:

بعض کاغذی نوٹوں کے ساتھ تو یہ شرط بھی طے کردی گئی ہے کہ اس کے بدلے میں سونا ہی ادا کیا جائے گا' اگرچہ اس کی قیمت کتنی ہی گر جائے اور ایسا اس لئے کیا گیا تاکہ کاغذی کرنسی کو قبول کرنے میں کسی کو پس و پیش نہ ہو' کیونکہ سونا ایک قیمتی دھات ہے اور اس کی قیمت گرنے کے امکانات کم ہیں' بخلاف چاندی یا تانبہ کے کہ ان میں عوام کی دلچسپی کم ہو سکتی ہے اور کاغذی نوٹوں کا حامل کسی اور معدن کو قبول کرنے میں اتنی دلچسپی شاید نہ لے جبکہ سونے کی ذاتی قدر (Value) اتنی ہے کہ اس میں ہر شخص رغبت رکھتا ہے اور یہ صورت ہر ملک میں ہر وقت موجود ہے اس لئے کاغذی نوٹوں پر جو کچھ لکھا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اس پر عوام کے اعتماد کو یقینی بنانے کی غرض سے ہوتا ہے اور داین کے دین کو تحفظ فراہم کرنے کی نیت سے۔

یہاں تک کہ بعض کاغذی نوٹ جیسے فرینک وغیرہ تو ان پر درج قیمت کے ساتھ یہ شرط بھی لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ پانچ فرینک کے پانچ نوٹ پیش کرنے پر اس کی اصل قیمت ادا کی جائے گی اور یہ شرط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ پانچ فرینک کا ایک نوٹ تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور نہ اس کے مقابل سونے کی کوئی مقدار ادا کرنا ممکن ہے۔ چنانچہ ادائیگی میں سہولت پیدا کرنے کی خاطر پانچ نوٹ اکھٹے پیش کرنے کی شرط لگائی گئی۔ ان نوٹوں کو تانبا یا پیتل کے سکوں پر قیاس کرنا بھی درست نہیں اور اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اول یہ کہ تانبے یا پیتل کے سکے بہت کم قیمت ہوں گے کیونکہ ان کی قیمت ان کی بحیثیت دھات کے ٹکڑے کے جو (Value) ہے اس کے حساب سے رکھی جائے گی' جبکہ کاغذی نوٹوں میں صورتحال یہ ہے کہ اس کی اپنی قیمت تو کچھ بھی نہیں مگر بحیثیت کرنسی ۱۷۵ مثقال سونے کے برابر بھی مقرر کی جاسکتی ہے اگرچہ کاغذ

کے اتنے سے ٹکڑے کی ذاتی قیمت ایک پائی کے برابر بھی نہ ہو جسے ۱۷۵ مشقال سونے کے برابر محض کرنسی ہونے کی وجہ سے مان لیا گیا۔ اگر ہم کاغذی کرنسی جاری کرنے والے ادارہ یا حکومت کی اس ضمانت ادائیگی سے صرف نظر کرلیں جو اس نے نوٹ پر تحریر کی ہے اور یہ فرض کرلیں کہ جاری کنندہ مفلس (دیوالیہ) ہوگیا ہے تو ایسی صورت میں اس کے جاری کردہ نوٹوں کی مالیت صرف اتنی رہ جائے گی جتنا اس کے پاس محفوظ سرمایہ یا زر معدنی ہے اور اس سرمایہ کو جاری کنندہ کے تمام نوٹوں پر مساوی حیثیت سے تقسیم کرنے سے جو عدد حاصل ہو گا وہ اس وقت ان نوٹوں کی مالیت یا قیمت رہ جائے گی۔ جبکہ اگر ان نوٹوں کی اپنی کوئی ذاتی قیمت ہوتی تو جاری کنندہ کے مفلس ہوجانے سے کوئی فرق نہ پڑتا۔ دیوالیہ ہونے کی صورت میں اگر کوئی عدالت سے رجوع کرے تو عدالت جاری کنندہ کے خلاف جو کارروائی کرے گی وہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگی کہ وہ اسے جاری شدہ نوٹوں کے عوض زرمعدنی یا متبادل ادا کرنے کا حکم دے اگر چہ یہ ادائیگی فی الفور نہ ہو۔ عدالت نوٹ جاری کرنے والے ادارہ کو مجبور نہیں کرسکتی کہ وہ ادائیگی کو فوری طور پر یقینی بنائے۔ اسی نوعیت کے دیگر بہت سے ضمنی معاملات ہیں جن کی تشریح کی یہاں گنجائش نہیں۔

اس نظریہ سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں؟

اس نظریہ کو درست تسلیم کرنے سے بہت سے شرعی احکام میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مثلاً

○ ان کرنسی نوٹوں سے اس نظریہ کی رو سے بیع سلم۔(۱) نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ فقہا کے ہاں بیع سلم کی متفقہ شرائط میں سے یہ ہے کہ دو عوضوں یعنی سامان اور اس کی قیمت میں سے سودا کرتے وقت ایک پر قبضہ ہونا لازمی ہے اور کرنسی نوٹ قبضہ میں لے لینے (یعنی وصول کرلینے) سے یہ شرط پوری نہیں ہوتی کیونکہ کاغذی نوٹ خود تو عوض یا مال نہیں بلکہ یہ تو اصل زر (زر معدنی) کی ایک تحریری ضمانت یا رسید ہے جسے کرنسی نوٹ جاری کرنے والے نے اصل زر کی بجائے جاری کیا ہے۔

○ اس نظریہ کی رو سے کرنسی نوٹوں کی مدد سے بیع صرف۔(۲) بھی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ بیع صرف کا اصول یہ ہے کہ مجلس عقد میں (سودا کرتے وقت) دونوں ثمن موجود ہوں اور فروخت کرنے والا اور خریدار دونوں اپنے اپنے ثمن پر قبضہ کرلیں' اب کرنسی نوٹ چونکہ خود ثمن نہیں بلکہ مذکورہ بالا نظریہ کے مطابق یہ ثمن کی ضمانت (پر مبنی رسیدیں) ہیں اس لئے بیع صرف کی شرط پوری نہ ہوئی۔ کیونکہ اس طرح تو ایک طرف سے مال پیش کیا جائے گا۔ جبکہ

دوسری جانب سے صرف ضمانت۔

○ اس نظریہ کی رو سے کرنسی نوٹ کے ذریعہ لین دین کا سارا معاملہ بطریق تعاطی۔(۳) جاری کنندہ پر حوالہ ہوگا اور بیع تعاطی کے جائز ہونے میں فقہاء میں اختلاف ہے **مثلاً** امام شافعی کا مذہب مشہور اس بارے میں یہ ہے کہ اس طرح کی بیع(سودا) مطلقاً ناجائز ہے۔ کیونکہ بیع تعاطی میں ان کے نزدیک ایجاب و قبول لفظاً ہونا شرط ہے۔

فرض کیجئے کہ بیع تعاطی کے معتبر ہونے میں اتفاق علماء پایا بھی جائے تو بھی مسئلہ حل نہیں ہوتا کہ حوالہ کے شرائط میں سے یہ ہے کہ حوالہ کسی مالدار پر ہوسکتا ہے جیسا کہ حضرت ابوہریرہ کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ مال دار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے اور قرض مالدار کے حوالہ کیا جائے تو قبول کرے اور مسند احمد بن حنبل میں بھی الفاظ کے ذرا سے اختلاف کے ساتھ اسی مفہوم کی حدیث ہے۔ مالدار کی تعریف یہ ہے کہ جو دولت مند ہو اور ادائیگی مال میں وعدہ کا پاس دار ہو ٹال مٹول نہ کرے اور اگر اسے قاضی کے کورٹ میں جانا پڑے تو گریزاں نہ ہو' بلاشبہ قوت اقتدار مال دار کو حقیقتاً غیرمالدار بنا سکتی ہے اور وہ مجلس حکم یا عدالت میں پیشی سے گریز کرسکتا ہے ایسی صورت میں اس کی طرف حوالہ کرنا باطل ہوگا۔

○ اگر کرنسی نوٹوں کو قرض کی رسیدیں (سندات دین) فرض کرلیا جائے تو اس سے زکوۃ کے مسائل میں اہل علم کے مابین اختلافات پیدا ہوجائیں گے۔ **مثلاً** یہ کہ کرنسی نوٹوں کی صورت میں زکوۃ نوٹوں کے کسی کی ملکیت میں آنے سے قبل اس پر واجب ہوگی یا بعد میں؟ چنانچہ اگر انہیں قرض کی رسیدیں سمجھا جائے تو پھر جن لوگوں کے نزدیک زکوۃ مال قرض پر اسی صورت میں واجب ہوتی ہے جب وہ مال واپس مل جائے تو اس صورت میں کسی پر زکوۃ ہی واجب نہیں ہوگی کہ ہرایک کے پاس قرض کی رسیدیں ہیں نہ کہ اصل زر۔

○ ایسی تمام تجارتیں (سودے) جو عروض و اثمان کی ہیں۔ کرنسی نوٹوں کی وجہ سے باطل ٹھہریں گی کیونکہ یہ تو قرض غائب کی رسیدیں ہیں۔

اس نظریہ پر تنقید

اس نظریہ کا دارو مدار دراصل جس نکتہ پر ہے وہ ہے کرنسی نوٹ پر درج وہ معاہدہ ہے جس کی رو سے حامل کو نوٹ کی اصل قیمت **عندالطلب** ادا کئے جانے کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا نوٹوں پر درج عبارت یا معاہدہ ادائیگی کو واقعتاً ایک ایسی ضمانت یا سند قرار دیا جاسکتا ہے۔ جس کی بناء پر یہ یقین کرلیا جائے کہ یہ جاری کنندہ کی طرف سے قرض لوٹانے کا وعدہ یا قرض کی رسید ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ کرنسی نوٹوں پر درج عبارت معاہدہ کی حقیقتاً کوئی حیثیت نہیں اور نہ عندالطلب حامل نوٹ کو اصل زر (ثمن) دیا جاتا ہے۔ یہ عبارت نوٹ پر محض ایک نقش ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص سعودی مانیٹری ایجنسی یا کسی بھی ملک کی کرنسی جاری کرنے والی فرم یا ادارہ کو اس کا جاری کردہ کاغذی نوٹ پیش کرکے یہ مطالبہ کرے کہ نوٹ پر درج معاہدہ کے مطابق اسے اتنی مالیت بصورت اصل زر (سونا' چاندی) ادا کیا جائے۔ تو مطالبہ کرنے والے کو نوٹ پر درج عبارت کی حقیقت پتہ چل جائے گی بلکہ عین ممکن ہے کہ اس کے اس مطالبہ پر لوگ اسی کی ہنسی اڑائیں کہ اس نے ایک رسمی تحریر کو حقیقی معاہدہ تصور کیا۔

کرنسی نوٹ جن جن تاریخی مراحل سے گزرا ہے ہم نے اس کی تفصیلات پہلے ہی بیان کردی ہیں اور ہم اس ضمن میں یہ بتا چکے ہیں کہ کرنسی نوٹ اپنے ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے چوتھے دور میں داخل ہوا تو صورت حال یہ ہوگئی کہ اس پر درج تحریر کی کوئی حقیقت نہیں رہی بلکہ یہ صرف جاری کنندہ کی یاد دہانی کے لئے باقی رکھی گئی۔ چنانچہ جب کرنسی نوٹ اور اس پر درج وعدہ ادائیگی زر کی صورتحال اس قدر گھمبیر ہو تو پھر بھی اسے قرض کی رسید (سند دین) خیال کرنا کیونکر درست ہوسکتا ہے؟

رہا معاملہ کرنسی نوٹ کو اس بنیاد پر قرض کی رسید سمجھنے کا کہ اس کی پشت پر اصل زر سونا یا چاندی یا دونوں موجود ہیں تو یہ ہم پہلے ہی واضح کرچکے ہیں کہ تمام کرنسی نوٹوں کی پشت پر سونا ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف بعض کے مقابل سونے کی موجودگی کو بھی کافی سمجھا جاتا ہے اور مجموعی طور پر کتنے کرنسی نوٹوں کے مقابل سونا ہونا لازمی ہے اس میں مختلف ممالک کا اپنا اپنا نظریہ ہے۔ جبکہ کرنسی نوٹوں کی وہ مقدار جس کی پشت پر سونا ضروری نہیں تو اس کی پشت پر قوت اقتدار موجود ہے اور یہ طریقہ کار تقریباً ہر کرنسی جاری کرنے والا ادارہ اپنائے ہوئے ہے کچھ ادارے بہت پہلے سے اس طرز پر چل رہے ہیں جبکہ اسلامی دنیا کے بعض ادارے اپنے پیشرووں کی تقلید میں ذرا بعد میں اس راہ پر چلے ہیں۔

اور یہ بھی تو ضروری نہیں کہ نوٹوں کی پشت پر کوئی نفیس معدن (سونا یا چاندی) ہی موجود ہو۔ بلکہ کوئی بھی چیز جو فی نفسہ قیمتی ہو اس کی ساکھ(Value) کی بناء پر بھی کرنسی نوٹ جاری کیئے جاسکتے ہیں جیسے تجارتی کاغذات (Business Documents) یا جائیداد (Property) وغیرہ یا ایسی چیز جو قومی پیداوار اور سرکاری آمدن کا ذریعہ ہو جیسے پیٹرول' اس کتاب کی تیسری بحث میں ان اشیاء کی تفصیلی فہرست و متعلقات کا ذکر ہے جو کرنسی نوٹوں کی پشت پر ہوسکتی ہیں۔ یہاں ان کا اعادہ کرنے سے بہتر ہے کہ وہیں ان پر ایک بار پھر نظر ڈال لی جائے۔

مذکورہ بالا بحث سے جب ہم نے یہ جان لیا کہ کرنسی نوٹوں کی زیادہ مقدار ایسی ہے جس کے پیچھے کوئی زر معدنی موجود نہیں بلکہ وہ صرف اقتدار کی قوت کی بناء پر قابل بھروسہ ہے اور

صرف اس بات کی ضمانت کی حامل ہے کہ اس کی کرنسی ہونے کی حیثیت ختم کئے جانے کی صورت میں اس کا متبادل ادا کیا جائے گا تو اس سے یہ کسی صورت بھی مراد نہیں لیا جاسکتا کہ یہ نوٹ قرض کی رسیدیں (سندات دین) ہیں۔ بالخصوص جبکہ ہمیں یہ بھی معلوم ہوچکا کہ ان کرنسی نوٹوں پر درج وعدہ ادائیگی زر کی حیثیت کیا ہے۔

رہا معاملہ کاغذی کرنسی کی ذاتی قیمت نہ ہونے کا' تو ان پر درج شدہ قیمت اس نوٹ کی قیمت نہیں بلکہ اس کے عدد کو ظاہر کرتی ہے کیونکہ کاغذ کا اتنا سا پرزہ تو اتنا قیمتی ہو نہیں سکتا اور کرنسی کی تعریف میں ہم پہلے یہ کہہ چکے ہیں کہ ہر وہ شئے جو عرف عام میں بطور کرنسی مقبول ہوجائے وہی کرنسی ہے۔ اس تعریف کی تائید میں بعض علماء و ماہرین قانون کے اقوال بھی موجود ہیں۔ یعنی کرنسی قرار پانے والی شئے کا ذاتی طور پر قیمتی ہونا یا کسی بیرونی سبب کی بناء پر قیمتی بن جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ اقتصادی سوچ معدنی سکے جاری کرنے والے اداروں کو پابند و مجبور کرتی ہے کہ وہ معدنی سکوں کی قیمت ان سکوں میں استعمال ہونے والی معدن کی اس مقدار کی قیمت سے زائد رکھیں جس سے وہ سکہ بنا تاکہ سکہ باقی رہے ورنہ اگر قیمت کم ہوگی اور دھات بذات خود اس قیمت سے زیادہ قیمتی تو لوگ سکے ڈھالنا شروع کردیں گے (پاکستان میں ایسا ہوچکا ہے) اس کی وضاحت میں ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

ایک سعودی پاؤنڈ (جنیہ) بحکم سرکار چالیس ریال کے برابر ہے جبکہ اپنے وزن اور گرامیج کے اعتبار سے اس کی قیمت ۳۵ ریال بنتی ہے۔ اب جو اس کی اصل قیمت اور سرکاری مقررہ قیمت کا فرق ہے اس فرق (۵ ریال) کے مقابل کوئی چیز نہیں بلکہ اتنے حصہ کو سرکاری حکم کی پشت پناہی (Coverage) حاصل ہے (ورنہ ۳۵ ریال مالیت کی چیز کو چالیس ریال کی شئے کون مانے گا) اب جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زر معدنی کے ایک جزو کے مقابل قوت حاکمہ موجود ہے تو ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ زاید سرکار کے ذمہ قرض اور اتنی مالیت کی کرنسی سرکاری طرف سے قرض کی رسید (سند دین) ہے۔ اس طرح یہ رائے باطل ٹھہری کہ کرنسی نوٹ دستاویزات قرض یا قرض کی رسیدیں ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حکومت عام اقتصادی سطح پر اس کرنسی کی قیمت کو قائم رکھنے کی ذمہ دار نہیں اور نہ اس کرنسی کو ختم کرنے کی صورت میں اس کا متبادل ادا کرنے کی ضمانت سے بری الذمہ ہے۔

تاہم کسی کرنسی کی حیثیت ختم کرنے کی صورت میں اس کے متبادل کی فراہمی کی ضمانت اور منسوخ شدہ نوٹوں کے لین دین کی ممانعت' یہی کرنسی کے قابل اعتبار ہونے اور اسے بطور جنس تبادلہ تسلیم کئے جانے کا راز ہیں۔ کیونکہ اس کی ذاتی کوئی قیمت نہیں بلکہ اسے حکومت کی گارنٹی کی بنیاد پر کرنسی مانا گیا ہے۔ اس طرح کرنسی نوٹ جاری کنندہ کی طرف سے سندات دین

(قرض کی رسیدیں) نہیں بن سکتے جبکہ عندالطلب ان کی قیمت بصورت زر معدنی کی ادائیگی بھی ناممکن ہو۔

کرنسی نوٹوں کو قرض کی رسیدیں قرار دینے میں لوگوں کے لئے حرج، دشواری اور تنگی و مشکلات ہیں اور انہیں لین دین کے معاملات میں ایسی مشقت میں ڈالنا ہے جو شرعی تقاضوں کے منافی ہے۔ اب جبکہ تمام اسلامی ممالک میں ان کاغذی نوٹوں کا رواج عام ہے اور کاغذی نوٹ ہی واحد زرمبادلہ کی حیثیت سے رائج ہو چکے ہیں اور ان کے علاوہ جتنے بھی وسائل تبادلہ تھے سب ختم ہو چکے تو ان کرنسی نوٹوں کو حقیقی کرنسی (ثمن) تسلیم نہ کرنا بہت سے مسائل کو جنم دے گا۔

اسلامی شریعت کے عام اصولوں میں سے یہ بھی ہے کہ ایسا کوئی بھی معاملہ جس کے بارے میں کوئی حکم نص سے ثابت نہ ہو اگر لوگوں میں پھیل جائے اور اس کی وجہ سے لوگوں پر ایک طرف سختی اور دوسری طرف ان کی مالی عبادات و معاملات میں نرمی و تخفیف کو سختی و تشدید پر ترجیح دی جائے گی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ (۱۴)

نیز ارشاد ہے

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (۱۵)

(اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں کرنا چاہتا) ایک اور جگہ فرمایا

يُرِيدُ اللهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ (۱۶)

(اللہ تم پر نرمی فرمانا چاہتا ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا (۱۷)

(اے اللہ ہم پر یوں مشقت نہ ڈال جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالی) اور حدیث شریف میں جیسا کہ امام مسلم نے، امام احمد نے، امام نسائی و ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک سے اور بخاری نے ابو موسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا **يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا** (آسانی کرو، مشکلات پیدا نہ کرو، خوشخبری دو اور متنفر نہ کرو) اس طرح ابن حبان اور ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ سے اور امام احمد نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور طبرانی معجم الکبیر میں ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور بزاز نے انس بن مالک سے اور امام بخاری نے ادب المفرد میں عبداللہ بن معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا

إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَيْهِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ

(کہ بے شک اللہ مہربان ہے نرمی کو پسند فرماتا ہے اور جو اجر نرمی پر دیتا ہے وہ عنف (سختی) پر

نہیں دیتا۔

اسی طرح امام مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے کہ

ان اللہ رفیق یحب الرفق ویعطی علیہ مالا یعطی علی العنف و مالا یعطی علی ماسواہ

(اللہ تبارک و تعالیٰ مہربان ہے اور نرمی پر جو کچھ عطا فرماتا وہ وہ **عنف** پر نہیں دیتا اور اس کے سوا پر)

اور ترمذی وغیرہ میں ہے

ماخیر صلی اللہ علیہ وسلم بین امرین الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بھی کبھی دو امور میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کا اختیار ملا تو آپ نے ان میں سے آسان تر کو اختیار فرمایا اگر اسے اختیار کرنا گناہ نہ ہو)

میں نے شیخ احمد **الخطیب** (مرحوم) کا رسالہ بعنوان "اقناع النفوس بالحاق اوراق الانوات بعملتہ الفلوس" دیکھا ہے مجھے ان کا ایک جواب جو کرنسی کے سند دین (قرض کی رسیدیں) ہونے کے سلسلہ میں کسی سائل کے جواب میں انہوں نے دیا بہت پسند آیا یہ جواب اس نظریہ پر تنقید کے سلسلے میں حرف آخر ہو سکتا ہے وہ فرماتے ہیں "اگر تم یہ کہو کہ یہ بات تو سمجھ سے بالا تر ہے کہ اس قیمت کی ادائیگی کی ضمانت سے قطع نظر جو جاری کنندہ نے دی ہے محض نفس کاغذ لین دین میں مستعمل ہو' کیونکہ اگر نفس کاغذ کرنسی ہوتا تو جاری کنندہ کو کسی قسم کی ادائیگی کی ضمانت دینے کی ضرورت نہ ہوتی' تو میں یہ کہوں گا کہ کوئی بھی صاحب عقل یہ شک نہیں رکھتا کہ لوگوں کا لین دین' نفس کاغذ کے ذریعہ ہے کیونکہ یہ کاغذات ہی دراصل کسی کے قبضہ و تصرف میں ہوتے ہیں۔ یہی ادا کئے جاتے ہیں۔ انہیں کی قیمت ہوتی ہے۔ یہ بیچے اور خریدے جاتے ہیں جس طرح کہ دیگر کرنسیاں۔ رہا یہ مسئلہ کہ ان کاغذوں کی وہ قیمت جو اس کے جاری کرنے والے نے مقرر کی ہے اور جس کی عند الطلب ادائیگی کا وہ ضامن ہے یہ اس بات کو مانع نہیں کہ وہ خود قابل تعامل ہوں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کاغذ سرے سے رائج نہ ہوتے۔ بلکہ لوگوں میں اس سے تعامل (لین دین) کا تقاضہ یہی ہے اور جو چیز ان نوٹوں کی حقیقت (اعیان) کے تعامل کا سبب ہے وہ اس کے اعیان (اصل) سے تعامل کے منع کا سبب نہیں ہو سکتا جیسا کہ ہر ادنی سا علم رکھنے والا بھی جانتا ہے۔ پس بینک کے ذمہ کاغذی نوٹ کی قیمت کی ادائیگی ہے ہر اس شخص کو جو یہ نوٹ لے کر آئے اور اصل زر کا مطالبہ کرے۔ اور یہ ادائیگی بینک کے ذمہ اس لئے ضروری ہے کہ اس نے بوجوہ اس نوٹ کے لین دین میں رواج پذیر ہونے کے خود اس کی ادائیگی کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ نوٹ کے مقابل اصل زر کی ادائیگی اس کو سند دین ہونے کی بناء پر بینک پر لازم نہیں بلکہ اس کے کرنسی ہونے کی بناء پر ہے۔

پس یہ کہنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے کہ یہ ادائیگی قرض کی وجہ سے ہے جبکہ ادائیگی کی وجہ

یہ ہے کہ بینک اس کی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے۔ قیمت دین سے (قرض سے) ایک الگ چیز ہے۔ دین (قرض) کا تعلق ذمہ سے ہے جبکہ قیمت کا تعلق عین (حقیقت) سے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ بینک کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے جاری کردہ کاغذی نوٹوں کے مقابل اصل زر (سونا' چاندی) اپنے خزانہ میں لازمی طور پر جمع رکھے اگرچہ اس نے لوگوں سے یہ اصل زر بطور قرض نہ بھی لیا ہو' تو پھر اس جمع کر رکھنے کا کیا جواز ہو گا؟ اور کیا معنی ہوں گے؟

اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ بینک اپنے خزانہ میں جو زر معدنی جمع رکھے گا وہ ان نوٹوں کی اصل قیمت ہو گی جو اس بینک نے فروخت کئے یا جاری کئے ہیں جس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ برآمد ہو گا کہ وہ نوٹوں کی باعتبار اعیان و اشخاص (حقیقت) ہونے کے قیمت ہے اور اس لئے جمع رکھی جاتی ہے تاکہ ان نوٹوں کے اعیان و اشخاص (حقیقت) کا لین دین میں رواج ہو اور تاکہ نوٹوں کے ذریعہ لین دین کرنے والے لوگ ان پر اعتماد کریں۔ کیونکہ بینک والوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ایک فلس کی چیز کو ایک ہزار کے عوض فروخت کریں جب تک کہ وہ خود بھی اسے اسی قیمت پر خریدنے کو تیار نہ ہوں اور اتنی رقم وہ اس کے بدل کے طور پر بینک کے خزانہ میں رکھتے ہوں تاکہ لوگوں کو اپنے اموال ضائع ہو جانے کا خوف نہ رہے اور وہ کاغذی نوٹ کو لین دین کے معاملات میں استعمال کرتے رہیں اگر یہ دونوں اہتمام نہ ہوں تو کاغذی نوٹ رواج پذیر ہی نہ ہو سکیں اور لین دین کرنے والوں کا ان دونوں التزامات کا خیال رکھنا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ وہ نوٹوں کے اعیان و اشخاص (حقائق) سے لین دین نہیں کر رہے یا یہ کہ یہ لین دین ان نوٹوں کے اعیان و اشخاص (حقائق) کے بغیر ہو رہا ہے۔ بلکہ اس طرح کا لین دین بھی دراصل کاغذی نوٹوں کے اعیان و اشخاص(اصل) کے ذریعہ ہی لین دین ہے۔ کیونکہ لوگ بینکوں یا دیگر ذرائع سے کاغذی نوٹ اس قیمت کے عوض خریدتے ہیں جو ان پر درج ہوتی ہے اور انہیں اس بات کا اطمینان ہوتا ہے کہ وہ یہ نوٹ اسی قیمت پر باسانی بیچ سکتے ہیں جس پر انھوں نے خریدے ہیں۔ یہی وہ قابل غور نکتہ ہے کہ جو لوگوں کو ان کاغذی نوٹوں کے اعیان و اشخاص (حقیقت و اصل) کی خریداری پر آمادہ کرتا ہے نہ کہ اس کے فی نفسہ کرنسی نہ ہونے کا سبب۔ کوئی بھی کرنسی خواہ وہ نوٹ ہوں یا تانبا' پیتل ہو' اس میں یہی نکتہ کار فرما ہے جو ہر لین دین کرنے والے کے ذہن میں موجود ہے کیونکہ اگر نوٹوں کے ذریعہ لین دین کرنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ جاری کنندہ (بینک یا حکومت) ان نوٹوں کو اسی قیمت پر نہیں خریدے گا جو اس نے مقرر کی ہے تو لوگ کاغذی نوٹوں کا لین دین سرے سے نہ کریں۔ ظاہر ہے لین دین کرنے والے اس بارے میں کسی قسم کے شک و شبہ سے محفوظ ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو گا کہ جاری کنندہ خود ان نوٹوں کو اتنی ہی قیمت میں خریدنے سے انکاری ہو جائے گا۔ اب کاغذی نوٹوں کے ذریعہ کاروبار کرنے والے مطمئن ہیں وہ کبھی اس طرف سوچتے بھی نہیں

نہ کبھی بینک سے جاکر یہ معلوم کرتے ہیں کیونکہ ان کا معلوم کرنا دراصل رواج پر موقوف ہے جب تک بازار میں کاغذی نوٹوں کی قدر (Value) قائم ہے وہ اسی کو بینک کی طرف سے ضمانت سمجھیں گے اور بینک جاکر معلوم نہیں کریں گے۔

چنانچہ ثابت ہوا کہ صرف رواج کی بناء پر لوگوں کا کاغذی نوٹوں کو قبول کرنا' نوٹوں کی حقیقت کو تسلیم کرنے ہی کے مترادف ہے' نہ کہ قرض کی رسیدیں سمجھ کر کہ جس کا اصل زر خزانہ سرکار یا بینک میں محفوظ ہے۔ اسی طرح بغیر بینک سے رجوع کیئے لوگوں کا کاغذی نوٹوں کا لین دین بھی ان کو حقیقی کرنسی تصور کرنے کی بناء پر ہے نہ کہ اس بناء پر کہ حقیقی کرنسی انہیں عندالطلب بینک سے ملے گی اور یہ محض علامتی کرنسی ہیں۔" (۱۸)

شیخ مذکور نے اپنے اسی رسالہ میں ایک اور جگہ یوں لکھا ہے

"کاغذی نوٹ قرض کی رسیدیں نہیں بلکہ خود کرنسی (بصورت نوٹ) ہیں جو اپنے اعیان (حقیقت) کے اعتبار سے قرض میں مستعمل ہے جیسے سونا' چاندی وغیرہ کہ ان کا لین دین بھی ان کے اعیان (حقیقت) کی وجہ سے ہوتا ہے۔ البتہ اس کی مالیت اعیان سے مربوط ہے اور اس کا رواج بینک یا جاری کنندہ کے وعدہ ادائیگی کی بناء پر ہے جو نوٹ پر درج ہے۔ جیسا کہ تانبے کے سکے میں بھی ہے کہ وہ بھی کاغذی کرنسی کی طرح اپنے اعیان کی بناء پر قابل لین دین ہے اور اس کی مالیت اس کے اعیان سے مربوط ہے اور اس کے لین دین کا رواج اس کے جاری کنندہ کی طرف سے اس پر درج قیمت کی ضمانت کی بناء پر ہے کہ جب بھی کوئی شخص ایسا سکہ پیش کرے گا اسے اس کی قیمت ادا کردی جائے گی۔ اس کا ضائع ہونا اس کے تلف ہونے کی بناء پر ہوگا چنانچہ جو قیمت اس پر درج ہے وہ اس کے تلف ہونے سے ضائع ہوجائے گی اور جو کوئی بھی اس سکہ کو تلف کرے گا گویا وہ اس کی عین (قیمت و حقیقت) کو تلف کرے گا۔

یہ سب معاملات وہ ہیں جو محسوسات سے تعلق رکھتے ہیں اب اگر کوئی ایسی بات کہے جو محسوسات و مشاہدہ کے خلاف نہ ہو تو اسے جاہل نہیں کہا جائے گا ایسا کاغذ جو صرف رسید ہو اس میں نوٹ کے برعکس تمام باتیں پائی جائیں گی۔ کیونکہ رسید تو ایک یادداشت کا نام ہے جو کاغذ پر تحریر شدہ ہے اس کا لین دین کے معاملات میں چل چلاؤ نہیں۔ اس کی اپنی کوئی قیمت نہیں' اس کے اعیان (حقیقت) سے لین دین ممکن نہیں' قرض اس رسید کے اعیان (حقائق) سے مربوط نہیں بلکہ وہ تو مقروض کے ذمہ ہے اور جو کچھ اس رسید میں لکھا جاتا ہے وہ اس رسید کی اپنی مالیت نہیں ہوتی' بلکہ مقروض کے ذمہ قرض کی تحریر ہے اور مالیت مقروض کے پاس ہے جو اس رسید کے ضائع ہوجانے سے ضائع نہیں ہوگی بلکہ اگر کسی سے یہ رسید تلف بھی ہوجائے تو اس سے اس کی وہ رقم تلف نہیں ہوگی جس کی یہ رسید تھی۔ فقہاء نے بڑی صراحت سے لکھا ہے کہ جس کسی نے گھری رجسٹری یا رسید ضائع کردی اس کے ذمہ صرف

اس کاغذ کی قیمت ہے جس پر وہ عبارت درج تھی جو دراصل رجسٹری ہے۔"(۱۹)

دوسرا نظریہ (نظریہ عروض)

اس نظریہ کی رو سے کاغذی کرنسی نوٹ تجارت کے عروض میں سے ایک عرض ہے (یعنی سامان)۔ چنانچہ ان کا بھی وہی معاملہ (حکم شرعی) ہے جو عروض (سامان) تجارت کا ہوتا ہے اس نظریہ کی جو توجیہات اس کے ماننے والے پیش کرتے ہیں ان میں سے بعض اس نظریہ کی وضاحت کے لئے پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) شیخ عبدالرحمن بن سعدی نے ایک رسالہ کاغذی نوٹوں کے استعمال و تعامل پر لکھا ہے جو روزنامہ "حرا" سعودی عرب کے شمارہ ۲۱۳ مورخہ ۲۸ جمادی الاولی ۱۳۷۸ھ' شمارہ ۲۱۴ مورخہ ۲۹ جمادی الاولی ۱۳۷۸ھ اور شمارہ ۲۱۵ یکم جمادی الثانیہ ۱۳۷۸ھ میں علی الترتیب قسط وار شائع ہوچکا ہے۔ شیخ کا یہ رسالہ ایک مناظرانہ انداز کا حامل ہے جس میں ان لوگوں کے دلائل کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جن کا نظریہ یہ ہے کہ کاغذی نوٹ قرض کی رسیدیں ہیں یا سامان تجارت (عروض) ہیں یا اثمان (نقدی) ہیں۔ شیخ نظریہ عروض کے قائل لوگوں کا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"میں نے جو کچھ کہا میرے پاس اس کے دلائل و براہین ہیں۔ اگر اور دلائل نہ بھی ہوں تو یہی دلیل کافی ہے کہ حقیقت محسوسہ و واقعہ یہی ہے کہ نوٹ ثمن (نقدی) ہے کہ اس سے خریداری ممکن ہے اور یہ سامان (عرض) بھی ہے کہ خریدا جاتا ہے۔ جبکہ نہ تو وہ سونا ہے نہ چاندی بلکہ ایک معاہدہ یا عقد ہے جو اس کاغذ یا قرطاس سے تعلق رکھتا ہے اور لفظی و معنوی طور پر وہی مقصود ہے۔ اگرچہ اس کے رواج پانے کے اسباب متعدد ہیں۔ معاہدہ تجارت سونے اور چاندی پر ہو نہیں سکتا جبتک برابر برابر نہ ہوں کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ **اَلذَّهَبُ بِالذَّهَبِ رِبًا اِلاَّ مِثْلاً** "**بِمِثْلٍ وَزْنًا بِوَزْنٍ يَدًا**" **بِيَدٍ** (جبتک سونا وزن اور کوالٹی کے اعتبار سے ایک جیسا نہ ہو اور نقد و نقد نہ لیا جائے تو یہ سود ہے۔) کاغذی کرنسی نوٹوں میں معدن کے مقابل میں معاملات مختلف ہیں۔ سونا چاندی ہر لحاظ سے معدن ہیں۔ نوٹ اگر چہ ثمنیت (نقدی اور قیمت ہونے کے اعتبار سے) ان دونوں کے برابر ہوں تب بھی ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس پر سود کا اطلاق کیا جائے اور سونے چاندی جیسا ان پر شرعی حکم لگایا جائے اس کی مثال جواہر اور موتی ہیں کہ اگر وہ سونے چاندی کی قیمت کو پہنچ جائیں یا ان سے قیمت میں بڑھ بھی جائیں جیسا کہ عموما ہوتا ہے تب بھی ان پر سونے چاندی جیسا حکم نہیں لگایا جائے گا۔ یہی صورت کاغذی نوٹوں کی ہے۔ پس طے ہوا کہ کاغذی نوٹ عروض (سامان) ہیں اور ان میں بھی وہی کمی بیشی ثابت ہے جو دیگر عروض (سامانوں) میں ہوتی ہے لہٰذا ان کا ایک دوسرے کے

عوض تبادلہ، خرید و فروخت جائز ہوگی۔ اسی طرح نوٹوں سے بہتر جنس بھی ان کاغذی نوٹوں کے عوض بیچی یا خریدی جاسکتی ہے۔

اس سے یہ واضح ہوا کہ معاملات اور عقود کاغذی نوٹوں میں اصلاً" جائز ہیں۔ اب جو کوئی کاغذی نوٹوں سے معاملات عقد و تجارت کی حرمت کا قائل ہو تو اسے حرمت کی دلیل پیش کرنی چاہئے اسی طرح ربا کا حکم لگانے کے لئے بھی دلیل پیش کرنی چاہئے۔ سونے اور چاندی کے بارے میں تو آپ دلائل پیش کرسکتے ہیں مگر ان دلائل کا اطلاق کاغذی نوٹوں پر نہیں ہوسکتا، چنانچہ یہ اپنے اصل پر قائم ہیں اور وہ ہے ان سے لین دین کے معاملات کا حلال اور جائز ہونا اگر کسی کے پاس اس اصل کے خلاف کچھ ہو تو وہ دلائل پیش کرے۔ مگر ایسا کون کرسکتا ہے؟ اس سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ کاغذی کرنسی نوٹوں کے ساتھ معاملات لین دین سے منع کرنا اور انہیں قرض کے تابع کرنا کسی صورت حلال نہیں اور ایسا کہنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ اس میں حرج اور تنگی ہے اور اس کا کوئی امکان نہیں کہ ہم ایسا کوئی عذر پیش کرسکیں جس سے یہ ثابت ہو کہ شریعت نے انہیں جائز نہیں رکھا۔ ایسا کہنے سے لوگوں کو بہت دقتیں پیش آئیں گی کیونکہ وہ کاغذی نوٹوں کے ذریعہ لین دین کرنے پر مجبور ہیں اور دین میں یسر (آسانی) پیدا کرنے کی ضرورت ہے تاکہ شریعت کی رعایت و سہولت سے ہر زمانہ میں اور ہر جگہ استفادہ ممکن ہو اور یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اس وقت دنیا کی غالب اکثریت میں لین دین کے معاملات میں انہی کاغذی نوٹوں کا رواج ہے ماسوا چند قلیل علاقوں کے۔

اگر کاغذی نوٹوں کو سندات دین (قرض کی رسیدیں) قرار دیا جائے تو فوری طور پر دنیا بھر کے اقتصادی امور چوپٹ ہوجائیں، ضرورت اس امر کی ہے کہ اس معاملہ میں نرمی و تخفیف برتی جائے جو کہ وقت و حالات کا تقاضا ہے۔

آگے چل کر شیخ مزید لکھتے ہیں کہ "کرنسی نوٹوں کے عرض ہونے اور نقد نہ ہونے کی ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اگر ان نوٹوں کو جاری کرنے والا ادارہ یا حکومت ختم ہوجائے یا دیوالیہ ہوجائے تو ان نوٹوں کی مالیت کچھ بھی نہ رہے۔ چنانچہ مشاہدہ اور علم سے یہ بات واضح ہوئی کہ یہ کاغذی نوٹ نقد نہیں ہیں۔ اگر چہ کچھ عرصہ کے لئے یہ مالیت و قیمت مقررہ کی بناء پر نقد کے قائم مقام ہوں۔ چنانچہ سبب و علت کے بدل جانے سے حکم بدل جائے گا"۔

کرنسی نوٹ معاملات اور مالی عبادات کی ادائیگی میں ثمن اور مالیت کے قائم مقام ہیں مگر ایک اور شئی میں یہ ان کے خلاف ہیں یعنی ربا میں کہ ان میں ربا کا حکم جاری نہیں ہوگا۔ کیونکہ یہ کاغذات ہیں جو چاندی اور سونے کے بارے میں منصوص احکامات کے ضمن میں نہیں آتے۔ ہمیں ان کے نصاب زکوۃ کے سلسلہ میں سونے چاندی کے موافق ہونے سے انکار نہیں

اور نہ حصول مقاصد میں ان کی اہمیت سے ہمیں انکار ہے جیسا کہ عروض اس میں شامل ہیں۔ اس قول معروف کی تائید میں جو دلائل ہیں ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ "مذہب مشہور یہ ہے کہ ربا کے احکامات ان نقدوں میں جاری ہوتے ہیں جو موزونی ہوں" جبکہ کرنسی نوٹوں میں یہ شرط یا یہ وصف موجود نہیں۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ان میں رباء الفضل بھی جاری نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میں وزن اور مماثلت نہیں پائی جائے نہ تو ان کی آپس میں خرید و فروخت میں وزنی مماثلت ہے اور نہ کسی دوسرے نقد سے خرید و فروخت میں۔ اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ جس نوٹ کی حیثیت ایک ہزار (روپے) ہے وہ وزن میں اس کے برابر ہو سکتا ہے جس کی قیمت ایک سو یا پانچ سو (روپے) ہے۔ اسی طرح جس نوٹ کی قیمت بہت زیادہ ہو اس کی سونے چاندی سے مماثلت نہیں اور یہ اظہر من الشمس ہے(۲۰)

جناب شیخ یحیی امان (رحمتہ اللہ علیہ) نے دو مضمون اسی سلسلہ میں لکھے جو کہ جریدہ حراء کے شمارہ ۲۳۸، ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ اور شمارہ ۲۳۹، ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان مضامین میں آپ نے کرنسی نوٹوں کے بارے میں "نظریہ عروض" کی تائید کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"نوٹ کا اصل تو ایک کاغذی پرزہ ہے اور کاغذ ایک مال متقوم (قیمتی مال) ہے اور اس میں جو قوت و طاقت (خرید و فروخت کی) پائی جاتی ہے یہ لوگوں کی اس میں رغبت کی بناء پر ہے اور چونکہ لوگوں کے لئے کرنسی نوٹوں کی صورت میں مال جمع کر کے رکھنا آسان ہے اسی لئے کرنسی نوٹ پبلک میں (POPULAR) مقبول بھی ہیں اور مال کے معنی بھی یہی ہیں کہ جس کی طرف میلان ہو اور جسے ضرورت کے لئے جمع کیا جا سکتا ہو۔"

علامہ یحیی امان ایک اور موضوع کے ضمن "اِقْنَاعُ النُّفُوس بِاِلْحَاقِ اَوْرَاقِ الْاَنْوَاتِ بِعُمْلَةِ الْفُلُوس" سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"جو کوئی نوٹ لیتا ہے وہ جانتا ہے کہ اسے دراھم یا ریالوں کا مالک بنا دیا گیا ہے اور جو شخص نوٹ دیتا ہے وہ بھی جانتا ہے کہ اس نے اپنے پاس سے درھم یا ریال ہی دیئے ہیں اور لینے والے کو انہی دراھم یا ریالات کا مالک بنایا ہے۔ چنانچہ ان نوٹوں کا مالک اپنے آپ کو مال و دولت کا مالک سمجھتا اور ان نوٹوں کو خزانہ شمار کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کہ کوئی سونے چاندی کا مالک اپنے آپ کو مال دار اور سونے چاندی (کے سکوں) کو اور فلوس نافقہ کو مال سمجھتا ہے۔ یہ کرنسی نوٹ ہی تو ہیں کہ دینے والا انہی میں سے کسی کو عطا(ھبہ) کرتا ہے انہی میں وصیت کرتا ہے، انہی سے خیرات کرتا ہے اور لوگ ان نوٹوں کو لین دین کے وقت خرید و فروخت ہی کے اصول کے تحت لیتے دیتے ہیں۔ اس لین دین میں نیت بیع و شری ہی کی ہوتی ہے اور نیتوں کا دارو مدار عمل پر ہے۔ ہر شخص کے معاملات کا انجام اس کی نیت کے اعتبار

سے ہوتا ہے لہٰذا ہر شک و شبہ سے بالاتر بات یہ ہے کہ نوٹ عوام کی نظر میں مال متقوم ہیں جو قابل ذخیرہ اور پسندیدہ جنس ہیں۔ جو بیچے اور خریدے جاتے ہیں اور ان میں وہی امور جاری ہیں جو مال میں جاری ہوتے ہیں۔" (ہمارے خیال میں شیخ سے اس اقتباس کے نقل کرنے میں کچھ سہو ہوا ہے)(۲۱)

(۳) شیخ علی ھندی نے اس نظریہ کی تائید کرتے ہوئے جناب شیخ سلیمان بن حمدان کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے جس میں انہوں نے کرنسی نوٹوں کو عروض تجارت قرار دیا ہے۔ یہ فتویٰ سعودی عرب کے اخبار "البلاد" کے شمارہ ۲۹۱۷ مورخہ ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ میں شائع ہوا ہے۔ ہم اس فتویٰ کا حسب ذیل اقتباس نقل کرتے ہیں۔

"کاغذی نوٹوں پر معاملات تجارت کے اعتبار سے عروض (سامان) تجارت کی تعریف صادق آتی ہے۔ کیونکہ عروض کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ایسا سامان جس میں پیمائش و وزن نہ ہو اور نہ وہ حیوان جائیداد' عروض اعیان مالیہ متقومہ ہیں اور کاغذ لین دین میں اَعیان معتبرۃُ القِیمت ہیں"

پھر شیخ کہتے ہیں۔ ان نوٹوں پر جو یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ ریال ہے یا دینار ہے یا جنیہ ہے تو یہ ان کے مجازی وہ اصطلاحی نام ہیں نہ کہ حقیقی نام' مجاز کی علامت تو اس کی صحت کی نفی ہے کہ اسے کاغذ کہا جاتا ہے نہ کہ چاندی کا ریال یا سونے کی اشرفی و دینار اور کسی چیز کی حقیقت کی نفی صحیح نہیں اور کسی چیز میں حقیقت نہ ہو صرف اس کا نام حقیقی شئی جیسا رکھ دیا جائے تو اس سے شرعاً" وہ چیز حقیقی نہیں بن جاتی نہ اس سے اس چیز کی اصل ثابت ہوسکتی ہے جس پر شریعت کے احکام جائز و ناجائز کا اطلاق ہو اور نہ ہی اس سے اشیاء کی قیمت بدلتی ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے ہم مختصراً" اس نظریہ کی مندرجہ ذیل توجیہ کرسکتے ہیں

(ا) کاغذی کرنسی نوٹ مالِ مُتَقَوِم ہے اور پسندیدہ چیز بھی۔ یہ قابل ذخیرہ ہے اور اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے اس کی ذات سونے اور چاندی سے اور ان کی معدنی حیثیت سے مختلف ہوتی ہے۔

(ب) کرنسی نوٹ نہ تو قابل پیمائش اور نہ ہی قابل وزن مال ہے اور یہ ان چھ اجناس میں سے نہیں جنہیں سودی قرار دیا گیا ہے جن کے بارے میں حدیث عبادہ ابن صامت وغیرہ میں صراحت سے نص موجود ہے۔ اس لئے اس کو نہ ان میں شامل کیا جائے گا نہ ان پر قیاس کیا جائے گا۔

(ج) نوٹوں کے نام ان کی قیمت یا (VALUE) وغیرہ کے سلسلہ میں ان پر جو عبارت لکھی ہوتی ہے وہ محض اصطلاحی اور مجازی معاملہ ہے جس کی بناء پر ان کی حقیقت تبدیل نہیں ہوسکتی اور حقیقت ان کی یہ ہے کہ یہ مالِ مُتَقَوِم ہے۔ یہ سونے چاندی یا دیگر اجناس و اموال ربویہ

(سودی) کی جنس سے تعلق نہیں رکھتے۔

(د) کرنسی نوٹ اور معدنی کرنسی میں واضح فرق ان کی جنس اور قدر کی بناء پر ہے۔ تاہم جنس کے اعتبار سے کرنسی نوٹ کاغذ کے ہیں اور کاغذ ہیں۔ جبکہ معدنی کرنسی سونا چاندی یا ان جیسی دیگر دھاتیں نفیس معدن ہیں۔ قدر (VALUE) کے اعتبار سے معدنی کرنسی قابل وزن ہے جبکہ کاغذی نوٹ میں پیمائش اور وزن کا کوئی دخل نہیں۔

اس نظریہ سے حاصل شدہ نتائج

۱) کاغذی کرنسی کے ذریعہ بیع سلم بعض فقہاء کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ ان کے بقول بیع سلم کی شرائط میں سے یہ ہے کہ معاہدہ خرید و فروخت کے وقت ایک کا نقد ہونا ضروری ہے' سونا ہو یا چاندی یا نقد کی کوئی اور قسم' چونکہ اس نظریہ کے مطابق کرنسی نوٹ عروض (سامان) ہیں اثمان (نقد) نہیں' اس لئے کرنسی نوٹوں کے ذریعہ بیع سلم نہ ہوسکے گی۔

۲) ان (کرنسی نوٹوں) میں دونوں طرح کا سود (ربو) جاری نہیں ہوتا۔ اس لئے اگر کرنسی نوٹ ایک دوسرے کے عوض کم یا زیادہ قیمت سے فروخت کیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ یعنی دس روپے کا نوٹ پانچ روپے والے نوٹ کے بدلے بیچنا یا اس سے کم و بیش میں فروخت کرنا جائز ٹھہرے گا۔

نوٹوں کی نوٹوں کے بدلے خرید و فروخت جائز ہے اور دیگر نقدیوں (اثمان) کے بدلے بھی جیسے سونا چاندی' برونز وغیرہ

۳) اگر یہ مال تجارت نہ ہوں تو ان میں زکوۃ واجب نہیں کیونکہ عروض میں زکوۃ کے واجب ہونے کی شرائط میں سے یہ ہے کہ وہ تجارت کے لئے ہوں۔

اس نظریہ کا تنقیدی جائزہ

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں نظریات (سند و عروض) میں بہت افراط و تفریط ہے۔ اگر کرنسی نوٹوں کو قرض کی رسیدیں (سندات دین) مانا جائے تو اس سے بہت سی مشکلات اور ایسی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جو اسلام کے مزاج یسر (آسانی) اور قواعد عامہ سے متصادم ہیں اور اگر کرنسی نوٹوں کے نظریہ عرض کو تسلیم کیا جائے تو اس میں انتہائی درجہ کی تفریط ہے جو ربا کے دروازے کھولنے کے مترادف ہے اور فی زمانہ بہت سے اموال پر سے زکوۃ کو ساقط کرنے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی تفریط۔ نقصان اور احکامات کے بطلان کو حسب ذیل مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔

ایک مسلمان شخص جو ایک ملین آسٹریلین پاؤنڈ کا مالک ہو۔ اگر اپنا سرمایہ کسی بینک میں

آٹھ فی صد شرح منافع پر رکھوا دے جس میں مقصود تجارت نہ ہو بلکہ صرف اصل زر کی حفاظت ہو اور اس سرمایہ سے حاصل ہونے والے سود (INTREST) کو وہ اپنی ضروریات زندگی پر صرف کرے تو اس نظریہ کے قائل اصحاب مذاہب کے ہاں اس شخص کے اس عمل سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ یہ سرمایہ یعنی کرنسی نوٹ نقد کے حکم میں نہیں کہ اس پر سود کے احکامات کا اطلاق ہو اور نہ اس سرمایہ پر زکوۃ لاگو ہوگی کہ یہ عرض ہے جس سے تجارت مقصود نہیں۔

اس سے بڑی تفریط کی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ جس میں اسلام کے اہم ترین رکن (زکوۃ) ہی کو بعض اموال پر سے ساقط کردیا جائے اور اموال بھی ایسے کہ جن سے بڑھ کر قیمتی مال اور کوئی کیا ہوگا؟ پھر اس سے بڑھ کر تفریط کیا ہوگی کہ آپ اس کرنسی (نقد) پر سے ربا کے احکامات ختم کردیں جو اس دور کی واحد رواج پذیر کرنسی (نقد) ہے۔

بلاشبہ یہ نظریہ اور اس کے لوازمات قابل تردید ہیں اور جو کوئی بھی اس نظریہ کا رد و انکار کرے اسے بہانگ دہل ایسا کرنے کا حق ہے۔ شیخ عبدالسلام بن بسام نے اس نظریہ کے حامل لوگوں کا سختی سے رد کیا ہے جو کہ جریدہ حراء کی اشاعت دس جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ کے شمارہ ۲۲۳ میں شائع ہوچکا ہے۔ ہم اس میں سے درج ذیل اقتباس پیش کرتے ہیں۔

شیخ نے ان دونوں مقدمات سے جان چھڑائی ہے کہ یہ عروض ہیں اور ان کو نقد کہنا مجازا" ہے اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ کاغذی کرنسی کی مختلف اقسام کی خرید و فروخت ان کے مختلف اسماء (جیسے ریال، دینار، جنیہ وغیرہ) کو استعمال کرتے ہوئے جائز نیز سونے چاندی سے ان کی بیع، کم و بیشی کے ساتھ نقد یا ادھار ہر حال میں درست ہے اور اس میں ربا کا کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ کاغذ اموال ربویہ میں سے نہیں ہے"۔ شیخ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں جس سے ربا کا دروازہ کھلتا ہے اور یوں انہوں نے ایسے لوگوں کو کھلی چھٹی دے دی ہے جو ارتکاب محرمات کا بہانہ تلاش کرتے رہتے ہیں اور ارتکاب محرمات و اعمال فاسدہ میں نہ تو اللہ کا خوف رکھتے ہیں اور ان کا ضمیر انہیں اس پر ملامت کرتا ہے۔ ہمارے اس دور میں ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ان لوگوں پر گرفت کریں نہ کہ انہیں کھلی چھٹی دے دیں۔ کیونکہ وہ تو زمانے میں پھیلے ہوئے فساد، مادیت کے طوفان اور مال کی ہوس کے سلسلہ میں پہلے ہی بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔ اگرچہ یہ کسی بھی طرح حاصل ہو۔ بہت سے اہل تقوی کاغذی کرنسی کے سلسلہ میں سخت تشویش میں مبتلا ہیں۔ خصوصا کاغذی کرنسی کے باہمی تبادلہ میں کمی بیشی کے ساتھ ان کے لین دین کو جائز قرار دینے کے فتوی نے تو خاص تشویش پیدا کردی ہے۔ کیونکہ اس طرح تو اگر سو روپے مدت معینہ کے لئے دوسو کے عوض فروخت کیئے جائیں تو جائز قرار پاتے ہیں یوں کاغذی کرنسی سے لین دین اور خرید و فروخت میں حائل جتنی دشواریاں تھیں گویا سب ختم ہوگئیں۔

اس کے بعد ہم اس نظریہ کے حامی افراد کے استدلال سے بحث کرتے ہیں تاکہ یہ واضح کیا جاسکے کہ کوئی دلیل واقعی ایسی ہے جو کرنسی نوٹوں پر زکوۃ کو ختم کرسکتی ہو۔ یا ان کے لین دین میں سود کے وجود کی نفی کو ثابت کرسکتی ہو۔ جبکہ کرنسی نوٹ اس وقت دنیا بھر کا سکہ رائج الوقت ہے اور اس میں عالم اسلام بھی شامل ہے"۔

کہا جاتا ہے کہ کاغذی کرنسی نوٹ عروض (یعنی سامان) ہیں۔ اس عبارت پر گفتگو کرنے سے قبل ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس میں اختلافی بات کیا ہے؟ کاغذی نوٹ ایک قابل ذخیرہ قیمتی اور پسندیدہ مال ہے جو خریدا اور بیچا جاتا ہے اور اس سے اشیاء کو محفوظ رکھنے اور لکھنے میں دیگر اشیاء کی طرح فوائد حاصل ہوتے ہی۔ اس اعتبار سے بلاشبہ یہ عروض ہیں لیکن اصل بحث اس میں یہ ہے کہ اگر کوئی ذمہ دار ادارہ کاغذ کی ایک مخصوص قسم کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ایسے بنائے جن پر تصاویر اور نقش ونگار اور تحریریں ہوں اور ان کاغذی پرزوں کو وہ بحیثیت کرنسی (سکہ) رائج کردے اور لوگ بھی اسے بطور کرنسی قبول کرلیں تو اب اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان کی حیثیت بدل گئی اب یہ محض کاغذی پرزے نہیں بلکہ کرنسی نوٹ ہیں۔ اب ان پر کاغذی ٹکڑے ہونے کی وجہ سے صرف جنس کاغذ کا اطلاق نہیں ہوگا۔ کیونکہ کاغذ سے جو کام لیئے جاتے ہیں وہ اب ان سے نہیں لئے جائیں گے جیسے ان پر کچھ لکھا نہیں جاسکے گا اور ان میں سودا سلف لپٹینے کا کام ہوگا اب اگر لوگ ان کاغذی پرزوں کے حصول میں کوشاں ہوں اور انہیں بطور کرنسی استعمال کرنے پر آمادہ ہوں اور اشیاء کی خرید و فروخت یا سروسز کے حصول میں ان کا استعمال ہوتا ہو تو یہ سب کچھ اس لئے نہیں ہورہا کہ یہ اموالِ مُتَقَوَّمہ ہیں اور پسندیدہ شئی ہیں یا ان پر خوبصورت تصویریں بنی ہیں یا نقش و نگار ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ ان کی حیثیت (جنس) اب بدل چکی' اور اب یہ کرنسی بن چکے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر جاری کنندہ انہیں منسوخ کردے تو ان کے ذریعہ پھر کوئی بھی لین دین نہ کرے گا۔ فرض کیجیئے کہ ان کی ذاتی قیمت باقی بھی رہتی ہے تو کیا ہر مال جو پسندیدہ اور قابل ذخیرہ ہو وہ ایسے عروض(اموال) میں آئے گا جس پر نہ سود کے احکامات لاگو ہوں نہ زکوۃ کے؟ ماسوائے نیت تجارت کے۔

کیا سونا اور چاندی قابل ذخیرہ اور پسندیدہ اموال نہیں؟ اس کے باوجود ان میں زکوۃ واجب ہے جبکہ وہ نصاب کے برابر ہوں اور ان دونوں پر دونوں طرح کے سود کے جاری ہونے پر بھی علماء میں اتفاق ہے' یہ کہا جاسکتا ہے کہ سونا اور چاندی اگر تجارت کے لئے نہ ہوں تو ان پر زکوۃ لاگو ہونے کے بارے میں تو نص قرآنی موجود ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور علماء اسلام کے ہاں قیاس کو دلیل شرعی تسلیم کیا گیا ہے جس سے احکامات ثابت ہوتے ہیں چنانچہ قیاس کے ذریعہ ہی ان کرنسی نوٹوں پر وہی احکامات لاگو کیئے گیئے ہیں جو سونے چاندی کے بارے میں منصوص (موجود در قرآن) ہیں اور یہ قیاس صحیح ہے۔ رہا معاملہ یہ کہ ذاتی اعتبار سے اور

معدن ہونے کے اعتبار سے کرنسی نوٹوں اور سونے چاندی میں فرق ہے تو کیا اس فرق سے حکم ختم ہو جائے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ اس کا جواب سونے چاندی میں سود کے سبب سے متعلق قول کی تحقیق سے پیدا ہوا یعنی یہ کہ کیا ان میں سود ان کی ذاتی حیثیت یا معدن ہونے کی وجہ سے ہے یا ان کے وزن کی بناء پر چنانچہ اختلاف واضح ہو گیا اور ان دونوں معاون کا نوٹ سے معاملہ مختلف ٹھہرا۔

بہرکیف ہمارے اس رسالہ میں سونے چاندی میں سبب سود (علت ربا) پر مستقل بحث شامل ہے جس میں آپ کو اس کا شافی جواب مل سکتا ہے۔ ہم نے اس میں لکھا ہے کہ کاغذی نوٹ نہ تو مال قابل وزن ہے نہ قبل پیائش اور نہ یہ ان چھ اجناس ربویہ (سودی) سے متعلق ہے جن کے بارے میں نص موجود ہے کہ اسے ان کے ساتھ ملا کر انہی پر اس کے احکامات کو قیاس کیا جائے۔ اگر یہ کہا جائے کہ کرنسی نوٹ کی نقد قیمت کو ماننا اور اسے کرنسی کہنا صرف ایک مجازی معاملہ ہے جس سے اس کی اصل(حقیقت) زائل نہیں ہوتی یعنی وہ ایک مال متقوم ہے جس کی سونے چاندی کی طرح کوئی جنس نہیں اور نہ ہی اموال ربویہ کی طرح وہ کوئی جنس ہے تو اس کے لئے ہمارے پاس شیخ عبدالسلام بن بسام کا دیا ہوا جواب کافی ہے جو جریدہ حراء میں مورخہ ۱۵ جمادی الثانی ۱۳۷۸ھ کو شائع ہو چکا ہے۔ شیخ عبدالسلام نے لکھا ہے

"اگر ہم (فلاں صاحب) کی کرنسی نوٹوں کے بارے میں اور ان کے اسماء کے بارے میں بحث کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو گا کہ نوٹ ایک عرفی حقیقت ہے اور حقائق تین طرح کے ہیں لغوی' شرعی اور عرفی۔ ان کاغذی نوٹوں کو ریال یا دینار یا جنیہ کا نام دینا عرفی حقیقت ہے نہ کہ مجازی۔ بالخصوص جب ہمارے پاس اس دور میں سونا چاندی بازار سے غائب ہے اور ان کی جگہ کاغذی نوٹ چل رہے ہیں تو اب ان نوٹوں کو ہی فی الحقیقت اور عرف عام میں ریال اور دینار کہا جانے لگا ہے نہ کہ ان کاغذی نوٹوں کے مقابل بنکوں میں موجود حقیقی کرنسی (سونا چاندی) وغیرہ کو۔ نوٹوں کے یہ نام عرفی حقائق کی بنیاد پر ہیں نہ کہ مجاز کی بنیاد پر کیونکہ حقیقت عرفیہ ایک خاص اصطلاح ہے جیسے نحویوں کے ہاں "فاعل" ایک خاص اصطلاح ہے یہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ ہم اسماء اور اصطلاحات کا اعتبار کریں جبکہ اعتبار تو حقائق اور معانی کا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وہی مقصود بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ نہ تو یہ کرنسی نوٹ عروض (اموال) ہیں اور نہ ان کا اموال (عروض) سے کوئی تعلق کہ ان میں اور عروض میں کوئی ایک مناسبت بھی نہیں جس کا اعتماد و اعتبار کیا جائے۔ باقی رہا معاملہ ان دونوں (یعنی نوٹوں اور اموال) کے جنس اور قدر کے اعتبار سے ایک ہونے کا تو جہاں تک جنس میں اختلاف کا تعلق ہے (یعنی کاغذی نوٹوں اور سونے کے مابین بحیثیت جنس فرق کا) تو اس کا حکم تو اللہ رسول کے ارشاد سے ملے گا کہ جب

اجناس مختلف ہوں تو ان میں نقد و نقد خرید و فروخت جس طرح چاہو کرو"
اب یہی بات قدر (VALUE) کے اعتبار سے ان میں فرق کی تو اس کا جواب سونے چاندی میں ربا کی علت سے (متفرع) نکلتا ہے جیسا کہ اس پر مستقل الگ بحث کے دوران واضح ہو گا (انشاء اللہ)

تیسرا نظریہ : کاغذی کرنسی کا معدنی سکوں سے الحاق۔

اس نظریہ کا منشاء یہ ہے کہ کرنسی نوٹ میں فلوس(۲۲) (سکوں) کی طرح ہیں جن پر ان کی قیمت درج ہوتی ہے' تو جو احکام (زکوۃ بیع یا سود کے) فلوس (سکوں) پر لاگو ہوں گے' وہی کاغذی نوٹوں پر بھی لاگو ہوں گے۔ اس نظریہ کے حامی بہت سے فاضل علماء و اسکالرز ہیں اور اس نظریہ کے حامیوں کو دیگر دو نظریوں (نظریہ سند اور نظریہ عرض) کے حامیوں کا درمیانی طبقہ کہا جاسکتا ہے۔ اس نظریہ کے حامیوں کے پاس اپنے دلائل ہیں جن میں سے چند ایک ہم یہاں ذکر کریں گے تاکہ اس نظریہ کے حقائق بھی واضح ہو سکیں۔ اور کرنسی نوٹ سے متعلق اسی نظریہ پر تنقید و گفتگو بھی ممکن ہو۔

شیخ احمد **الخطیب** اپنے رسالہ "اقناع النفوس بالحاق اوراق الانوات **بعلمتہ الفلوس**" میں لکھتے ہیں۔

"نوٹ ایک کاغذی کرنسی ہے جو اپنے اہل (اثمان) کے ساتھ اس طرح رائج ہے' جیسے سونا اور چاندی اپنی قیمت کے ساتھ رائج ہیں۔ مذہب میں یہ بات طے شدہ ہے کہ زکوۃ صرف انہی اموال پر رائج ہوتی ہے جو اموال زکوۃ ہوں' جب کہ کاغذ اموال زکوۃ میں نہیں۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ بظاہر اس پر زکوۃ اس کے اصل کے اعتبار سے نہیں۔ چنانچہ اس معاملہ میں کوئی وجہ اس کے اصل (عین) سے زکوۃ نکالنے کی نہیں اور نہ اس کی قیمت سے زکوۃ نکالنے کی۔ ماسوا تجارت کے' کیونکہ ہمارے نزدیک قیمت پر زکوۃ لاگو نہیں ہوتی' نہ عروض (اموال) تجارت پر۔ پس ان تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ نوٹ تمام احکام ظاہری و باطنی کے لحاظ سے اور نفس امر میں بھی تانبے کے سکوں کی طرح ہیں' اور یہ اموال زکوۃ (قابل زکوۃ) میں سے نہیں کہ جو برابر برابر یا کمی بیشی کے ساتھ بیچے جائیں یا قرض دیئے جائیں' کیونکہ ان میں علت ربا نہیں پائی جاتی۔ یہ ہبہ کئے جائیں یا قرض کے طور پر دیئے جائیں یا ان میں وصیت کی جائے یا ان میں اسی طرح تصرف کیا جائے جس طرح سونے چاندی میں کیا جاتا ہے' تو ان کی حیثیت سکوں کی سی رہتی ہے۔ جس طرح کہ کسی بھی سکہ رائج الوقت کی حیثیت ہوتی ہے۔(۲۳)

عبدالرحمٰن سعدی (رحمتہ اللہ علیہ) نے اپنے مذکورہ رسالہ میں کاغذی نوٹوں کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے' درمیانی راستہ اختیار کیا ہے' یعنی نہ تو انہوں نے یوں کہا جیسے

کرنسی نوٹوں کو عروض قرار دینے والے کہتے ہیں اور نہ اس طرح کہا جس طرح نوٹوں کو اثمان (فروخت شدہ چیز کا عوض) کہنے والے کہتے ہیں' ان کی رائے کا اقتباس درج ذیل ہے:

"ایک چوتھا شخص جو دونوں دلائل کا تجزیہ کرے گا (اثمان اور عروض قرار دینے کے دلائل کا) تو وہ یہ کہے گا کہ' اگر کوئی ان دونوں اقوال کا درمیانی راستہ اختیار کرے اور دونوں جانب کے دلائل کو جمع کرے اور کرنسی نوٹوں کو کرنسی (سکے) تصور کرے اور بیع نسیہ (۱) کرنا چاہے تو وہ نہیں کرسکتا۔ بیع نسیہ یہ ہے کہ اگر وہ دس روپوں کو بارہ روپوں کے عوض فروخت کرنا چاہے تو یہ ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ سود کی ایک قسم ہے' جسے ربو النسیہ کہا جاتا ہے اور جس کے حرام ہونے کے سب مسلمان قائل ہیں۔ ربا الفضل سے منع کرنے والے بھی اس پر متفق ہیں کہ یہ سخت حرام ہے اور رباء النسیہ میں ربا الفضل سے زیادہ گناہ ہے اور ان کے نزدیک نوٹوں کی ایک دوسرے کے بدلے خرید و فروخت جائز ہے' اسی طرح ان کی نقد و نقد۔ دستی دستی خرید و فروخت بھی اگرچہ مماثل ہو یا نہ ہو' جائز قرار دی ہے اور ان کا حکم فلوس (سکوں) کا حکم قرار دیا ہے کیونکہ رباء الفضل سے تحریم وسائل لازم آتی ہے' اور کرنسی نوٹوں کا اصلی کرنسی نہ ہونا بلکہ ضرورتا" کرنسی قرار پانا ثابت ہے۔ لہٰذا اسی بنیاد پر اس قول کو ترجیح حاصل ہے اور اس صورتحال پر دلائل شرعیہ کے الفاظ کی مخالفت کئے بغیر ان کے معانی کو لیا جاسکتا ہے۔"

بہت سے علماء نے فلوس یا کرنسی کی آپس میں (سکوں کی سکوں کے بدلے) خرید و فروخت کو جائز کہا ہے اسی طرح سونے چاندی کے بدلے بھی ان کی خرید و فروخت کو درست کہا ہے اگرچہ یہ مماثل ہوں یا مخالف۔ اور بدل ثانی اگرچہ بوقت خرید و فروخت موجود ہو یا مفقود' تاہم ان کی ایک دوسرے کے بدلے یا سونے چاندی سے بیع موجل سے منع کیا ہے۔ جب کہ کرنسی (سکے) تو نوٹوں کی بنسبت سونے چاندی سے زیادہ مماثلت رکھتے ہیں۔ اس قول کو جس بات سے ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ نوٹوں کی نوٹوں کے بدلے بیع یا سونے چاندی کے بدلے بیع موجل تو بالکل ربا (سود) ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے زمرے میں آتی ہے۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا أَضْعَافًا" مُّضَاعَفَةً"

(اے ایمان والو! دوہرا سود نہ کھاؤ) چنانچہ دس نوٹوں کی بارہ نوٹوں کے بدلے یا سونے چاندی کے بدلے بیع موجل کی صورت میں اس کے پائے جانے سے ذرا سی سوجھ بوجھ کا مالک شخص بھی انکار نہیں کرسکتا' اگرچہ یہ ضروریات میں سے ہی ہو۔

مقصد یہ کہ اگر کوئی شخص رباء النسیہ سے فرار اختیار کرتے ہوئے یہ راستہ اختیار کرے اور نوٹوں کے ایک دوسرے سے تبادلہ و خرید و فروخت کو بہت مجبوری کی صورت میں اور معاملات کو چلانے کی غرض سے قبول کرے یا ان کی سونے چاندی کی موجودہ قیمت کے لحاظ سے خرید و فروخت کا معاملہ کرے نہ کہ ان پر درج شدہ مبلغ کے اعتبار سے جبکہ کوئی نص قطعی بھی

اس سے مانع نہ ہو' تو ایسا کرنے والا شخص صحیح راستہ پر چلنے والا ہی کہلائے گا اور اس تفصیل میں سے راجح یہ کہلائے گا کہ رباء الفضل بقدر ضرورت مباح ہے جیسا کہ بیع عرایا (۲) کا مسئلہ ہے' بہت سے علمائے اسلام۔ (جیسے شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ) نے سونے کے زیورات کے عوض بیع' برابر برابر اور کمی بیشی کے ساتھ ہر طرح جائز قرار دی ہے' بوجہ ان میں کاریگری کے اور ثمنیت و تقویم پائے جانے کے اور اس میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا گیا کہ یہ اس دور کی ضرورت خلق ہے' بلکہ اس طرح پوری دنیا میں لین دین کی جو مجبوری ہے اس کا لحاظ رکھا گیا ہے' چنانچہ غرض بلکہ ضرورت باوجود غیر رباء نسیہ کے اور باوجود نوٹوں کے غیر جوھر (سونے یا چاندی) ہونے کے اور باوجود علماء کے اس کے حکم میں اختلاف کے اس قول کو ترجیح حاصل ہے۔

۳۔ شیخ عبداللہ بن بسام نے کرنسی نوٹوں کو عروض کہنے والوں کو جواب دیتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے۔ اس کی طرف ہم پہلے اشارہ کر آئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ (کاغذی کرنسی) نوٹ کی تمام اقسام میں سونے اور چاندی سے ایک مشابہت موجود ہے۔ اسی طرح ان میں ایسی مستندات (Documents) سے بھی مشابہت ہے' جو قرض کی دستاویزات یا Cheques ہوں لیکن یہ نکل وغیرہ کے بنے ہوئے سکوں سے بہت زیادہ قریب اور زیادہ مشابہ ہیں کیونکہ یہ خود تو نہ سونا ہیں نہ چاندی بلکہ یہ تو (اثمان) کرنسی ہین جو کساد بازاری یا رواج پذیری یا حکومتوں کے جاری کرنے کے لحاظ سے سکوں کی طرح تبدیل ہوتے رہتے ہیں' سونا اور چاندی تو مقصود بالذات ہیں اور ان میں دلچسپی بھی اسی طرح ہے مگر سکے اور کاغذی نوٹ حکومتوں کے کرنسی قرار دینے کی بناء پر مرغوب فیہ کرنسی قرار پاتے ہیں۔ پس جب کاغذی نوٹ (قروش) سکوں سے بہت قریب اور مشابہ ہیں تو انہیں انہی کے ساتھ ملانا اور شمار کرنا چاہئے اور ان پر انہی (سکوں) کا حکم لگنا چاہئے۔ قروش (سکوں) کا شرعی حکم علماء سابقین کے ہاں معروف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ امام احمد کے مذہب میں (قروش) سکوں میں رباء النسیہ جاری ہوتا ہے اور رباء الفضل جاری نہیں ہوتا' اسی طرح کاغذی نوٹ کی تمام اقسام بھی انہی کے تابع ہوں گی اور ان کا ایک دوسرے کے بدلے بیع (خرید و فروخت) جائز ہوگی اسی طرح ان کے بدلے سونے چاندی کی بیع بھی جائز ہوگی بشرطیکہ ایک ہی مجلس میں (مجلس عقد میں) لین دین ہوجائے خواہ کمی بیشی کے ساتھ یا برابر برابر تاہم ان کی ایک دوسرے سے یا سونے چاندی سے بیع موجل نہیں ہوسکتی اور نہ ہی نقد لین دین کے بغیر بیع ہوگی کیونکہ ان میں رباء النسیہ جاری ہوگا۔

اس نظریہ کے نتائج

کاغذی کرنسی نوٹوں کو سکوں سے ملانے والے لوگوں کا مقصد دراصل وہی ہے جو بہت سے

اہل علم کا ہے کہ ان میں اور سونے چاندی کے شرعی حکم میں فرق قائم رہے۔ ہاں البتہ تمام اہل علم کا اس سلسلہ میں اتفاق یکساں نہیں۔ کیونکہ بعض نے اس فرق کے سلسلہ میں اعتدال کو سامنے رکھا ہے اور سکوں کو ربوا النسیہ کے حوالہ سے سونے چاندی کے تابع کیا ہے کہ ان دونوں میں قدر مشترک (ثمنیت) قیمت ہے جبکہ ربوا الفضل کے ان میں جاری ہونے کو تسلیم نہیں کیا' اس دلیل کی بناء پر کہ یہ تمام اعتبارات سے سونے چاندی کی طرح نہیں۔ جبکہ بعض علماء نے اس فرق کو بہت آگے تک بڑھایا ہے جیسا کہ شیخ احمد **الخطیب** نے رسالہ اقناع النفوس میں ذکر کیا ہے کہ سکے اور ان کے **ملحقات** اموال ربوا یا قابل زکوۃ نہیں ہیں اور ان میں زکوۃ لاگو نہیں ہوتی سوائے تجارت کی نیت کے' اور ان کی ایک دوسرے سے بیع میں کوئی حرج نہیں نہ دوسری اجناس کے بدلے ان کی خرید و فروخت میں کوئی حرج ہے۔

اس نظریہ پر تنقید

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کاغذی کرنسی نوٹوں کو سکوں (فلوس) کی طرح قرار دینے میں دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جس کا کہنا ہے کہ کاغذی نوٹ عروض (سامان) ہیں چنانچہ اس گروہ کے مطابق سکوں اور ان جیسی اشیاء جیسے کرنسی نوٹ وغیرہ' میں **ثمنیت** نہیں ہے اور بغیر نیت تجارت کے جتنے بھی کرنسی نوٹ یا سکے ہوں گے ان پر زکوۃ نہیں ہوگی جب کہ سود کی دونوں قسموں کا اطلاق بھی ان پر نہیں ہوگا چنانچہ (ہمارے خیال میں) ان کے اس غلط نتیجہ کی بناء پر ہم نے جو جواب نوٹوں کو عروض قرار دینے والوں کو دیا ہے وہی اس گروہ کے لئے بھی کافی ہے۔

دوسرا فریق یا گروہ وہ ہے جس کے اقوال (ہمارے خیال میں) قدرے صحیح اور صواب کے قریب تر ہیں' اس گروہ سے اگر ہماری بات ہو تو صرف اس نکتہ پر ہوگی کہ وہ کون سی دلیل ہے۔ جس کی رو سے آپ نے درمیانی راہ نکالی ہے یعنی ربوا النسیہ کے معاملہ میں تو کرنسی نوٹوں کو سونے چاندی پر قیاس کیا ہے اور رباء الفضل کے سلسلہ میں انہیں عروض تصور کرلیا ہے۔ اس حل (وسط) کے مجوزین یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلوس (سکوں) میں دو عامل جاذب ہیں' ایک عامل کی بنیاد عرض ہے جب کہ دوسرا عامل اس کے رواج پذیر ہونے کے بعد **ثمنیت** کا ہے' ان دونوں عوامل کے یکجا کرنے سے فلوس (سکے) عرض اور نقد کے درمیان کی چیز قرار پاتے ہیں۔ مگر یہ جواب بالکل باطل و مردود ہے۔ کیونکہ اگر کسی چیز کی دو مختلف جہتیں ہوں جو حکم کے اعتبار سے ایک دوسرے کے مخالف ہوں تو پھر دونوں پر متوسط حکم لگانے میں احتیاط درکار ہے۔ تاکہ پانچ بنیادی باتوں کو تحفظ حاصل رہے اور وہ ہیں۔ دین' نفس' عقل' نسل اور مال۔ اس کی مثال وہ حدیث ہے۔ جو آئمہ محدثین کی ایک جماعت نے (ماسواء ترمذی کے) روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اور عبداللہ

بن زمعہ کے درمیان اختلاف ہوگیا اور وہ اپنا کیس جناب رسول اللہ کے پاس لے کر آئے۔ سعدؓ نے کہا یا رسول اللہ میرے بھتیجے عتبہ بن ابی وقاص کا خیال ہے کہ یہ ان کا بیٹا ہے۔ آپ ان کی مشابہت دیکھئے اور عبداللہ بن زمعہ نے کہا یہ تو میرا بھائی ہے جو کہ میرے باپ کے ہاں پیدا ہوا۔ نبی کریم نے دیکھا تو عتبہ سے اسے واضح طور پر مشابہ پاکر فرمایا۔ اے عبداللہ بن زمعہ یہ تمہارا ہے۔ کیونکہ بچہ اس باپ کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا' اور اے سودہ بنت زمعہ تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ حضرت سودہ کو اس لڑکے نے پھر کبھی نہیں دیکھا۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچہ کو (صاحب فراش) بستر والے سے اس لئے ملایا تاکہ اصل کی اتباع ہو اور بغیر بستر والے سے احتیاطا ملایا تاکہ حرمت (یعنی غیر کے ساتھ اس کی مشابہت) کی وضاحت ہوسکے۔ یہ ایک ایسا درمیانی راستہ تھا جس سے کسی امر ممنوع کا ارتکاب لازم نہیں آتا۔ بلکہ اس میں پانچ بنیادی ضروریات (ضروریات خمس) میں سے ایک کے تحفظ کا خیال پیش نظر تھا اور وہ ضرورت تھی حفاظت نسل کی۔ جبکہ کرنسی رائج الوقت کے لین دین کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ اس میں کسی گنجائش کا تلاش کرنا ربا النسیئہ اور دیگر ممنوعات کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اگر بالفرض کرنسی اور سونے چاندی کے حکم میں فرق کو صحیح بھی مان لیا جائے جب بھی کرنسی نوٹوں کو سکوں جیسا سمجھنے سے حسب ذیل امور سامنے آئیں گے حالانکہ کرنسی نوٹوں میں بہت سی صفات سونے چاندی کی سی ہیں۔

۱۔ موجودہ صورتحال میں کرنسی نوٹ قیمت value کے اعتبار سے سکوں سے بہت آگے نکل چکے ہیں۔

۲۔ کرنسی نوٹوں کو ان کی اصلیت یعنی (عروض) سامان سے ثمن (کرنسی) قرار دینے سے یہ نقص بھی لازم آئے گا کہ ان کی کرنسی ہونے کی حیثیت ختم ہوجانے کی صورت میں وہ اپنی اصلیت پر واپس نہیں آسکیں گے۔ جبکہ سکوں میں یہ بات ہے کہ ان کی قیمت value اگر سرکاری طور پر ختم بھی کردی جائے تب بھی دیگر اشیاء (سامان) کی طرح ان کی اصلی حیثیت باقی رہے گی۔

۳۔ کرنسی نوٹ' قیمت میں زیادتی کے اعتبار سے سونے چاندی کی طرح ہیں۔ بلکہ بعض کرنسی نوٹ تو سونے چاندی کے کسی بڑے ٹکڑے سے بھی زیادہ قدر و قیمت value رکھتے ہیں۔

۴۔ سکوں کو چھوٹی چھوٹی چیزوں یا عام استعمال کی اشیاء کی قیمت طے کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ ان کے حکم شرعی میں نرمی مصلحت عامہ کا تقاضا ہے۔ جیسے لین دین میں آسانی اور دھوکہ دہی سے حفاظت وغیرہ کے پیش نظر ایسا کرنا ضروری ہے اور غالباً" یہ صورت ان میں رباء الفضل کے جاری ہونے کو روکنے کے سلسلہ میں مناسب سبب ہے۔

۵۔ سکوں کی value چونکہ کچھ زیادہ نہیں ہوتی اس لئے عموماً بڑے سودے سکوں کے ذریعے طے نہیں کئے جاتے بلکہ سونے چاندی یا کرنسی نوٹوں کے ذریعہ طے پاتے ہیں اور سودی معاملات بھی زیادہ تر بڑے سودوں میں ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ فرق بھی کرنسی نوٹوں کو سکوں سے زیادہ قابل قدر valuable بناتا ہے اور قیمت یا قدر کی یہ زیادتی بہت سے شرعی احکام و نتائج کا سبب ہے۔

بہر کیف! اس وقت چونکہ ہماری بحث کرنسی نوٹوں کو سکوں کی مانند تصور کرنے والے لوگوں کے بارے میں ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں بعض علماء کی آراء بھی پیش کردیں تاکہ موضوع میں مزید وسعت اور نکھار پیدا ہو۔

فقہاء کرام نے فلوس (سکوں) کے بارے میں فقہی بحث و تحقیق خوب کی ہے مگر وہ ان کی حیثیت متعین کرنے میں کسی ایک رائے پر متفق نہیں ہوسکے بلکہ واضح طور پر دو مختلف آراء سامنے آئی ہیں اور ہر رائے پر فقہاء کا ایک گروہ قائم ہے اور یہ دو رائیں دراصل سکوں کی اصلیت کے تعین کی وجہ سے قائم ہوئیں۔ ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ سکے دراصل عرض (سامان) ہیں اور ان کی حیثیت میں تبدیلی صرف عارضی ہے جو کہ ان کے ثمن (کرنسی) ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اصل کا اعتبار کرتے ہوئے اس گروہ نے شرعی احکامات کے سلسلہ میں سکوں کو اصل اموال زر (سونا چاندی) سے الگ رکھا ہے جیسے سود' بیع صرف' بیع سلم اور زکوۃ وغیرہ کے احکامات۔ پہلے فریق میں سے شرح المنتهی فی الفقه الحنبلی(۲۴) میں علماء کا موقف اس طرح بیان ہوا ہے کہ "فلوس میں ربوا نہیں جبکہ ان کا لین دین گنتی کے حساب سے ہو کیونکہ یہ ناپ اور تول سے خارج ہیں اور ان کے بارے میں کوئی نص بھی نہیں اور نہ اجماع ہے۔

دوسرا گروہ جس نے سکوں کو ان کی نئی صورت (کرنسی) میں مستقل چیز مانا ہے۔ اس نے انہیں اثمان (کرنسی) قرار دیتے ہوئے ان پر وہی شرعی احکام لاگو کئے ہیں جو کرنسی (اثمان) پر لاگو ہوتے ہیں یعنی' بیع صرف' سود' بیع سلم اور زکوۃ وغیرہ کے احکام۔

"... ایسے کرنسی سکے جن کا لین دین گنتی سے کیا جائے ان میں سود نہیں' اگرچہ یہ سکے فلوس نافقہ ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ سود کا حکم قابل وزن اور قابل پیمائش اشیاء میں جاری ہوتا ہے (نہ کہ گنی جانے والی اشیاء میں) اور شمار کی جانے والی اشیاء پر سود کا حکم جاری کرنے کے لئے کوئی نص نہیں پائی جاتی اور نہ ہی کوئی مجتہدانہ اجماع"

کتاب القناع کے حاشیہ کشاف القناع کے باب الرباء والصرف میں لکھا ہے کہ "... ایک سکہ کو دو سکوں کے عوض (گن کر) بیچنا اگرچہ وہ فلوس نافقہ ہی ہوں جائز ہے کیونکہ یہ قابل وزن و پیمائش (سامان) نہیں..."(۲۵)

سونے چاندی پر زکوۃ کے بارے میں صاحب کشاف القناع لکھتے ہیں۔

"... یہ دونوں چیزیں اثمان (کرنسی) ہیں ان میں فلوس (سکے) داخل نہیں اگرچہ سونے چاندی کے سکے رائج ہوں ..."(۲۶)

زیورات کی زکوۃ کی بحث میں لکھتے ہیں۔

"... فلوس (سکے) سامان تجارت کی طرح ہیں۔ ان کی قیمت میں زکوۃ ہوگی جیسے دیگر اموال میں ہوتی ہے۔ ہاں سکوں کی زکوۃ سکوں ہی سے ادا کرنا جائز نہیں ..."(۲۷)

شیخ القاہاشم الفوتی المدنی نے اپنے رسالہ "امتاع الاحداق والنفوس بمطالعتہ احکام اوراق الفلوس" میں شرح بہجہ الکبیر کے مصنف (جو کہ شافعیہ کے ایک بڑے عالم ہیں) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ۔

"... فلوس میں ربا نہیں اگرچہ وہ رواج پذیر ہوں ...."(۲۸)

اور شیخ زکریا الشافعی کے حوالہ سے ان کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

"ربا نقدین میں (یعنی سونا چاندی میں) حرام ہے۔ اگرچہ یہ دونوں ڈھلے ہوئے یعنی سکوں کی صورت میں نہ ہوں جیسا کہ زیورات ہوتے ہیں بخلاف دیگر اشیاء کے جیسا کہ سکے اگرچہ وہ سونے چاندی کے رائج ہوں۔

اور شیخ علیش المالکی کی کتاب "فتح العلی المالک علی المذھب الامام المالک" سے ان کے ایک فتویٰ کا حوالہ کاغذی کرنسی پر زکوۃ سے متعلق اس طرح ہے۔

"... تانبے یا پیتل کے ایسے سکے جن پر سلطان کی مہر ہو اور وہ رائج الوقت (کرنسی) ہوں ان پر زکوۃ نہیں کیونکہ وہ اب سکے ہیں اصل (یعنی تانبہ پیتل) نہیں ...."

مدونہ میں ہے کہ۔

"... اگر کسی شخص کے پاس دو سو درہم قیمت کے سکے ہوں اور ان پر سال بھی گزر گیا ہو تو ان پر زکوۃ کے سلسلہ میں امام مالک کا کیا ارشاد ہے؟ جواباً کہا کہ ان سکوں پر کوئی زکوۃ نہیں ..." اور شرح الدردیر میں جو کہ الخلیل کا اختصار ہے یہ قول درج ہے۔

"... کاغذی کرنسی اور سکوں کے بارے میں واضح ترین بات یہ ہے کہ پیتل کے سکوں میں کوئی زکوۃ نہیں ..."

فتاویٰ ہندیہ میں ایک قول فقہ حنفی کے مطابق یوں ہے۔

"... حسن نے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ سے بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے دراہم کے بدلے سکے خرید لئے اور فریق ثانی کے پاس سکے نہ تھے اور نہ فریق اول کے پاس درہم تھے (صرف زبانی سودا ہوا) پھر ان میں سے کسی ایک نے ادائیگی کردی اور وہ دونوں چل دیئے تو یہ سودا جائز ہوگا اور اگر فریقین کے چل دینے سے قبل کسی نے بھی دوسرے کو نقد ادائیگی نہ کی

ہوتی تو یہ سودا جائز نہ ہوتا۔ محیط میں اسی طرح لکھا ہے "یہ ایک طرح کا قرض کے بدلے قرض ہے اور اگر کسی نے سونے یا چاندی کی انگوٹھی چند سکوں کی خریدی اور اس کے پاس سکے نہیں تھے تو یہ بیع (سودا) جائز ہے۔ مبسوط میں یونہی لکھا ہے...."

"ایک فلس کی دو فلسوں کے بدلے خرید و فروخت جائز ہے اور اس پر ابن عابدین کے حاشیہ ردالمختار میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف کے نزدیک یہ خرید و فروخت جائز ہے۔ کیونکہ فلوس (سکے) اپنی تخلیق و ساخت کے اعتبار سے ثمن (نقدی) نہیں بلکہ دیگر عروض (سامان) کی طرح ہیں۔

دوسرے فریق میں سے جو کہ کاغذی کرنسی اور سکوں کو نقدی (کرنسی) قرار دیتا ہے اور ان کے لئے انہی احکام کے لاگو کرنے کا حامی ہے جو اصل یعنی سونے چاندی پر لاگو ہوتے ہیں ایک گروہ فقہاء حنبلیہ کا ہے جن کے ایک معروف عالم ابوالخطاب ہیں جنہوں نے تصحیح الفروع میں لکھا ہے:

"... فلوس نافقہ کرنسی قابل تبادلہ ہے اور یہ ثمن (نقدی) ہیں..."(۲۹)

یہ قول امام احمد کے اقوال میں سے ایک ہے جسے صاحب کشاف وغیرہ نے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ امام احمد کی نص سے ایک فلس کا دو فلسوں کے عوض بیچنا جائز ثابت نہیں ہوتا اور اس میں ان کا ایک اور قول ہے کہ۔

"....ایک فلس کی دو فلس کے عوض خرید و فروخت کا معاملہ خارج از بحث ہے.. ."(۳۰)

اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں اور تلخیص میں دونوں میں سے ایک روایت کا ذکر ہے کہ ایسی کسی بات کو افضلیت نہیں دی جا سکتی جس پر ایک جماعت کی روایت سے نص موجود ہو' اس کو انہوں نے المستوعب اور الحاوی الکبیر میں پیش کیا ہے۔

الروض المربع علی زاد المستقنع میں ہے کہ :(۳۱)

... فلوس نافقہ (سکوں) کا تبادلہ نقد و نقد ایک شرط پر درست ہے اور وہ ہے حلول اور قبض"

علامہ ابن قیم کی اس موضوع پر تحقیق بڑی نفیس ہے جسے انہوں نے اعلام الموقعین میں علت ربا کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے ان لوگوں پر تنقید کی ہے جو سکوں کو سامان کہتے ہیں۔ چنانچہ ان کے تنقیدی الفاظ اس طرح ہیں۔

"... میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ ان لوگوں نے سکوں کو سامان میں شمار کر کے معاملہ بگاڑ دیا ہے اور سکوں کو قابل نفع جنس تصور کر کے دھوکہ کھایا ہے اس سے تو ایک طرح کی دقت و تنگی پیدا ہوگی اور عوام کے ساتھ ایک زیادتی ہو جائے گی۔ جبکہ اگر سکوں کو نقدی قرار دیا جائے

تو نہ کمی آئے گی نہ زیادتی ہو گی بلکہ ان سے اشیاء کی قیمتوں کا تعین و تبادلہ ہو گا اور ان کی قیمت بغیر اشیاء کے نہ ہو گی یہی مصلحت عامہ کا تقاضا ہے۔۔۔" (۳۲)

ابن القیم کے استاذ شیخ ابن تیمیہ نے ایسے سکوں کے بارے میں جو کسی متعین چیز کے بدلے لئے جائیں اور ایک مدت پر کچھ اضافہ کے ساتھ فروخت کئے جائیں کہا ہے کہ۔

"۔۔۔اس مسئلہ میں علماء کے مابین اختلاف مشہور ہے اور وہ ہے سکوں (فلوس نافقہ) کا درہموں کے ساتھ تبادلہ' اختلاف یہ ہے کہ کیا ان میں حلول کی شرط ہے یا ان میں نساء جائز ہے اس میں دو قول ہیں جو کہ مذہب ابو حنیفہ اور مذہب ابن حنبل کے مطابق ہیں۔ ان میں سے ایک قول تو امام مالک' ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت پر مشتمل ہے جو کہ عدم جواز کا ہے مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ حرام قطعی بھی نہیں۔

دوسرا قول امام شافعی اور امام ابو حنیفہ کی دوسری روایت اور امام احمد بن حنبل کے ایک پیرو کار علامہ ابن عقیل کی روایت پر مشتمل ہے جو کہ جواز کا ہے۔ ان میں سے بعض نے امام احمد کی نہی کو کراہت پر محمول کیا ہے کہ انہوں نے اسے شبہ صرف قرار دیا ہے اور ظاہری بات تو یہ ہے کہ انہوں نے اس سے منع کیا ہے کیونکہ فلوس نافقہ پر اثمان کا حکم غالب ہے اور انہیں لوگوں کے اموال کا معیار مانا گیا ہے۔ پھر انہوں نے یہاں تک کہا ہے کہ (۳۳) ثمنیت کی علت ایک مناسب وصف کی علت ہے اور اثمان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اموال کے معیار ہوں جن سے اموال کی قدروں کا اندازہ کیا جاسکے جبکہ ان کے عین واصل سے کسی قسم کا فائدہ اٹھانا مقصود نہیں ہوتا چنانچہ جب ان کی ایک دوسرے کے بدلے بیع موجل ہوتی ہے تو اس سے مقصود تجارت ہے جو کہ مقصود ثمنیت سے متناقض ہے اور اس میں حلول اور قبضہ کی شرط اس کے مقصد کی تکمیل کے لئے ہے۔

پھر انہوں نے کہا کہ شارع نے نقدی کے بدلے ایک مدت مقرر (اجل) تک فروخت کرنے سے منع کیا ہے اب اگر سکوں کو نقدی مانا جائے تو ان میں وہی صورت پیدا ہو گی کہ انہیں ایک مدت مقررہ کے لئے ایک دوسرے کے بدلے فروخت نہ کیا جائے جیسا کہ ثمن کو ثمن کے بدلہ مدت مقررہ (اجل) پر فروخت کرنا جائز نہیں۔(۳۴)

مالکی فقہاء نے المدونہ الکبریٰ' کتاب الزکوۃ میں لکھا ہے کہ "۔۔۔ابن قاسم نے کہا میں نے امام مالک سے فلوس کی دیناروں اور درہموں کے ساتھ نقد و ادھار خرید و فروخت کے بارے میں پوچھا اور یہ بھی کہ ایک فلس کو دو کے عوض بیچنا کیسا ہے تو امام مالک نے کہا میں اسے مکروہ جانتا ہوں مگر اسے سونے چاندی اور ورق کی طرح مکروہ نہیں جانتا۔۔۔"

المدونہ الکبریٰ کی کتاب الصرف میں ہے کہ امام مالک نے مجھ سے سکوں کے بارے میں کہا کہ "۔۔۔سونے اور چاندی کے بدلے ان کی خرید و فروخت اچھی نہیں۔ اگر لوگ آپس میں

یہ طے کرلیں کہ وہ چمڑوں کو (بطور کرنسی) جائز کرلیں، حتیٰ کہ ان کی ایک ساکھ اور حقیقت value قرار پا جائے۔ جب بھی میں انہیں سونے اور چاندی کے بدلے خرید و فروخت کو ناپسند ہی کروں گا۔ نیز امام مالک نے فرمایا کہ ایک سکہ دو سکوں کے بدلے بیچنا جائز نہیں۔۔۔"

شیخ محمد علی بن الحسین نے اپنے رسالہ "شمس الاشراق فی حکم التعامل بالا وراق" میں المدونہ الکبریٰ سے نقل کیا ہے کہ

"۔۔۔اگر دو افراد نے آپس میں سکوں کے بدلے دراہم یا سونے چاندی کی انگوٹھی کا سودا کیا اور وہ دونوں ان اشیاء (یعنی سکوں یا انگوٹھی یا دراہم) کو وصول کرلینے سے قبل جدا ہوگئے تو یہ خرید و فروخت جائز نہ ہوئی۔ کیونکہ سکوں میں سونے چاندی کے مقابلہ میں کوئی خوبی نہیں۔۔۔ امام مالک کہتے ہیں مگر یہ حرام قطعی بھی نہیں۔ بلکہ میں اس میں تاخیر کرنے کو ناپسند کرتا ہوں"۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ یہ جائز نہیں سوائے اس کے کہ گنتی کرکے بیچے جائیں اور ایک سکہ کے بدلہ میں ایک ہی سکہ ہو اور لین دین بھی نقداً نقد ہو، ایک کے بدلے دو سکے بیچنا جائز نہیں نہ نقد نہ ادھار اور سکے گنتی میں اسی طرح ہیں جس طرح وزن میں دراہم و دینار۔۔۔" (۳۵)

اور المدونہ کی سلم اول میں ہے کہ پیتل اور تانبا سامان ہیں جب تک کہ انہیں ڈھال کر ان کے سکے نہ بنا لئے جائیں اور جب سکے بن جائیں تو یہ سونے اور چاندی کی طرح چلیں گے اور ان میں بھی حلال و حرام کا حکم ویسا ہی ہوگا جیسا کہ سونے چاندی میں ہوتا ہے اور ان کا لین دین بھی انہیں کے احکام کے تابع ہوگا۔

عدوی نے مختصر الخلیل کی شرح الخرشی کے حاشیہ میں لکھا ہے "۔۔۔ امام مالک کی ناپسندیدگی یا ان کی طرف سے اظہار کراہت، یہاں کراہت ہی کے معنی میں ہوگا نہ کہ حرمت کے معنی میں۔۔۔"(۳۶) اور ظاہر یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ محل نظر ہے کیونکہ امام مالک نے سونے اور چاندی میں تفاضل اور نساء کی حرمت کو کراہت پر محمول کیا ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے کہ "۔۔۔میں اسے سونے اور چاندی کی طرح مکروہ نہیں جانتا۔۔۔" اور سونے اور چاندی میں سود (ربا) اپنی دونوں قسموں کے اعتبار سے مکروہ نہیں بلکہ وہ حرام ہے جس پر اہل علم کا اتفاق ہے مگر وہ ہمارے سلف صالح کا طریقہ ہے کہ وہ حرام کو احتیاطاً مکروہ ہی کے زمرے میں رکھتے تھے۔ اس خیال سے کہ کہیں وہ اللہ کے اس ارشاد کا مصداق نہ بن جائیں۔

"۔۔۔ کہو کیا تم نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق کو حلال و حرام ٹھہرانا شروع کردیا ہے کیا اللہ نے تمہیں اس کا اختیار دیا ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھتے ہو۔۔۔(یونس، ۵۹)(۳۷)

اس کی تائید میں علامہ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں ابن وھب کے حوالہ سے لکھا ہے۔ میں نے امام مالک کو فرماتے سنا وہ کہہ رہے تھے، "۔۔۔میں نے اپنی زندگی میں ایسے شخص

کو نہیں پایا نہ سلف میں سے کسی ایسے کے بارے میں سنا جو از خود حلال و حرام کا فتویٰ صادر کرتا ہو' بلکہ اس طرح کی جرات کوئی نہیں کرتا تھا زیادہ سے زیادہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارے خیال میں یہ ناپسندیدہ ہے۔ یا یہ بہتر یا اچھا ہے یا اس طرح کہتے تھے کہ یوں کرنا چاہئے اور یوں نہ کرنا چاہئے عتیق بن یعقوب نے ان سے روایت کرتے ہوئے اس قدر اضافہ کیا ہے کہ وہ یہ نہیں کہتے تھے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام' کیا آپ نے اللہ کا یہ قول نہیں سنا:

"قُلْ اَرَاَیْتُمْ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا' قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ"

یعنی کیا اللہ نے جو رزق تمہارے لئے اتارا ہے تم نے اس میں (از خود) حلال و حرام ٹھہرانا شروع کردیا کیا اللہ نے تمہیں اس کا اختیار دیا ہے یا تم اللہ پر بہتان باندھ رہے ہو"

حلال وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حلال قرار دیا ہو اور حرام وہ ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہو' ابن قیم نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے

"۔۔۔ میں کہتا ہوں' بہت سے متاخرین (بعد کے) علماء نے اپنے آئمہ کی اتباع کرنے میں اس وجہ سے غلطی کی ہے کہ وہ تو کسی چیز پر حرمت کا اطلاق کرنے سے گریز کرتے اور مکروہ کہتے اور ان متاخرین نے انہیں مکروہات کو محرمات بنا دیا اور جن چیزوں پر آئمہ نے کراہت کا حکم لگایا تھا انہوں نے ان پر حرمت کا حکم لگادیا۔ پھر کراہت کا لفظ تو اور بھی آسان ہوگیا اور اس کا استعمال ان کے ہاں اتنا عام ہوا کہ بعض نے اسے تنزیہ پر محمول کیا اور بعض نے ترک اولیٰ پر' اور یہ ان کا عام تصرف ہے جس کی وجہ سے شریعت اور آئمہ کے بارے میں بہت غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔۔۔" (۳۸)

حنفی علماء میں سے "شمس الاشراق فی حکم التعامل بالاوراق" کے مصنف شیخ محمد علی بن شیخ حسین نے قاری الھدایہ سے فتویٰ نقل کیا ہے کہ۔

"۔۔۔ سکوں کی سونے چاندی کے بدلے ادھار خرید و فروخت جائز نہیں۔ کیونکہ ہمارے علماء نے لکھا ہے کہ کسی قابل وزن شئی کو کسی قابل وزن شئی کے بدلے ادھار دینا جائز نہیں۔ الایہ کہ وزن والی شئی ایسی ہو جیسی زعفران وغیرہ جبکہ سکے **مبیعات** (قابل خرید و فروخت اشیاء) میں سے نہیں بلکہ یہ تو خود ثمن یعنی نقدی ہیں۔ ایک دوسری جگہ انہوں نے کہا ہے کہ سکوں میں زکوۃ کا حکم اس صورت میں لاگو ہوگا جب ان کا چل چلاؤ (رواج) ہو اور یہ دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کے مساوی ہو۔(۳۹) اور محمد بن حسن کی اس میں اپنی ایک رائے ہے جس میں انہوں نے اپنے دونوں ساتھیوں (صاحبین سے اختلاف کیا ہے اور سکوں کو ثمن قرار دیتے ہوئے یہ کہا ہے کہ ان میں بھی وہی کچھ جائز ہوگا جو اثمان (نقدی/ کرنسی) میں جائز ہوتا ہے اور وہی کچھ ممنوع ہوگا جو (نقدی/ کرنسی) میں ممنوع ہوتا ہے۔

چنانچہ شیخ الفاہاشم الفوتی المدنی نے اپنے رسالہ "امتاع الاحداق والفلوس بمطالعتہ احکام اوراق الفلوس" میں لکھا ہے کہ ابن نجیم حنفی نے اپنی کتاب "البحرالرائق شرح کنزالدقائق" میں کھوٹے یا ملاوٹ والے سکوں پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے ان کا کہنا ہے النسفی کہتے ہیں یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ سکے کرنسی رائج الوقت ہیں یا تجارتی سامان ہیں تو ان کی سکوں کی طرح قیمت پر زکوۃ ہوگی۔(۴۰)

مذکورہ بالا رسالہ کے مصنف نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ سکوں کی قیمت پر زکوۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ سونے یا چاندی کے نصاب کے مطابق ہوں اور ان پر ایک سال گزر گیا ہو اور وہ رائج بھی ہوں۔ اور یہ حکم شاید امام محمد کے اس قول پر مبنی ہے کہ جس میں انہوں نے رائج سکوں کو قابل ربا مال اور کرنسی کی مانند قرار دیا ہے۔

امام کاسانی نے اپنی کتاب بدائع الصنائع میں لکھا ہے "گنی جانے والی ایسی اشیاء جو ملتی جلتی ہوں ان کی خرید و فروخت کمی بیشی کے ساتھ امام ابو حنیفہ و ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے جبکہ وہ اشیائے خوردو نوش نہ ہوں اور خرید و فروخت دست ودست ہو۔ جیسے ایک سکہ یا فلس کی بیع دو سکوں یا دو فلسوں کے (اعیان کے) بدلے۔ جبکہ امام محمد کے نزدیک یہ جائز نہیں اور ان کے قول کی دلیل یہ ہے کہ فلوس (سکے) اثمان (کرنسی) ہیں اور ان کا کمی بیشی کے ساتھ بیچنا اسی طرح ناجائز ہے جس طرح دراہم و دنانیر کا اور دونوں میں سبب ان کی مالیت کا تعین ہے اور اعیان کی مالیت جس طرح دراہم و دنانیر سے متعین کی جاتی ہے اسی طرح سکوں سے بھی کی جاتی ہے کہ وہ بھی کرنسی (نقدی) ہیں۔ چنانچہ جب کسی دوسری جنس سے ان کا تقابل کیا جائے گا تو انہیں نقدی تصور کیا جائے گا اور جب آپس میں ان کا تقابل ہوگا تو پھر یہ ہم جنس (نقدی) ہیں اور اگر یہ ثمن ہیں تو ثمن کا کوئی تعین نہیں ہو سکتا۔ اور اگر دراہم و دنانیر کی طرح ان کا تعین کیا جائے تو یہ تعیین عدم ہوگی کہ ایک سکہ (فلس) کو دو سکوں کے عوض بیچنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر یہ ثمن ہیں تو ایک مقابل ایک ہوا اور دوسرے کے مقابل کچھ نہ ہوا تو یہ زائد جو دیا جائے گا (یعنی ایک کے بدلے دو) تو دوسرا ربا بنے گا۔(۴۱)

مذکورہ بالا بحث سے یہ معلوم ہوا کہ جمہور علماء نے سکوں کو عرض (سامان) مانا ہے اور ان میں سے محققین نے انہیں اثمان (نقدی) قرار دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ سکوں کو جو کہ رائج الوقت کرنسی کے طور پر پائے جائیں انہیں نقدی (کرنسی) قرار دینے والے علماء نے زیادہ تحقیقی بات کہی ہیں۔ اور ان کی دلیل بھی زیادہ قوی ہے اور حقیقت واقعہ بھی ان کے ساتھ ہے کہ یہ سکے نقدی ہیں انہیں لوگوں میں مقبولیت حاصل ہے اور ان کے ذریعہ لین دین ہوتا ہے اور انہیں ایک "زر تبادلہ" کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے جس طرح سونے اور چاندی کو۔ اب ان کے لین دین کے اس رواج کے سبب ان کے احکام بھی وہی ہوں گے جو سونے چاندی کے

ہیں۔ جبکہ انہیں سامان قرار دینا ایک سطحی سا نقطہ نظر ہے جو روح تشریع سے بعید تر ہے اور حقائق واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

چوتھا نظریہ' نظریہ بدل:۔

اس نظریہ کے مطابق کرنسی نوٹ ان کے اصل کا عوض یا بدل ہیں اور ان کا اصل سونا اور چاندی ہے اور متبادل' عوض یا بدل کا حکم بھی وہی ہوگا جو اصل کا ہے' اور اس نظریہ کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ قیمت کے اعتبار سے یہ نوٹ اپنی اس اصل کی طرح ہیں جس کے یہ بدل ہیں یعنی سونا اور چاندی کیونکہ ان کا اصل چاندی یا سونا ان کی پشت پر ان کے زر ضمانت کے طور پر موجود ہے اور مقاصد شرعیہ کا تعلق تو اصل اور حقائق سے ہے نہ کہ الفاظ اور ان کی بناوٹ سے۔ ان کے کرنسی ہونے کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اگر ان کی ثمنیت value یا قیمت ختم کردی جائے تو یہ محض کاغذی پرزے ہوں گے جو کہ قیمت کھو جانے کے بعد ایک پیسے کے بھی نہیں۔ چنانچہ ان کا شرعی حکم بھی سونے چاندی کے تابع ہے کیونکہ جو حکم اصل پر لاگو ہوگا وہی اس کے متبادل اور بدل پر بھی لاگو ہوگا۔

اس نظریہ کے نتائج:۔ اس نظریہ سے حاصل ہونے والے نتائج اس طرح ہیں۔

۱۔ کرنسی نوٹوں میں سود کی دونوں قسمیں جاری ہوں گی۔

۲۔ جب یہ دو سو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کے برابر ہوں گے تو ان پر زکوۃ لاگو ہوگی جبکہ زکوۃ کی دیگر شرائط بھی پوری ہوں۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ سونے کے متبادل جو نوٹ ہوں گے ان پر زکوۃ اس وقت ہوگی جب وہ سونے کے نصاب کے مطابق ہوں اور جو چاندی کے متبادل ہوں گے ان پر چاندی کے نصاب کا اطلاق ہوگا۔

۳۔ کرنسی نوٹوں میں بیع سلم جائز ہے۔

۴۔ نوٹوں کے نام یا شکلوں یا ان کی ملکوں کے اعتبار سے شناخت وغیرہ یہ سب سونے اور چاندی سے متعلق ہے۔ بس جہاں جو نوٹ سونے کے متبادل کے طور پر رائج ہوں وہاں ان پر وہی احکامات ہوں گے جو سونے کے ہیں اور جہاں جو نوٹ چاندی کے متبادل جاری کئے گئے ہوں گے وہاں ان پر وہی احکامات لاگو ہوں گے جو چاندی پر لاگو ہوتے ہیں۔

۵۔ اگر کہیں دو طرح کے کرنسی نوٹ ہوں جو چاندی کے بدلے جاری ہوئے ہیں یا جو سونے کے بدلے جاری ہوئے ہیں تو ان دونوں کے درمیان تفاضل (یعنی کمی بیشی) منع ہے اس کی وضاحت کے لئے ہم دو مثالیں بیان کرتے ہیں۔

۱) فرض کیجئے کہ سعودی ریال اور لبنانی لیرہ چاندی کے متبادل ہیں تو ان دونوں کا ایک دوسرے سے تبادلہ یا لین دین اس شرط پر ہوگا کہ یہ مساوی قیمت کے ہوں۔

۲) دوسری مثال یہ ہے کہ **مثلاً** "آسٹریلین پاؤنڈ اور کویتی دینار فرض کیجئے کہ سونے کا بدل یا متبادل ہیں تو ان کا آپس میں تبادلہ بھی مساوی اور برابر قیمت کی شرط پر ہوگا۔

٦۔ اگر دو اس قسم کے کرنسی نوٹ اکٹھے ہو جائیں جن میں سے ایک تو سونے کا متبادل ہے اور دوسرا چاندی کا تو ان میں تفاضل (کمی و بیشی) کے ساتھ لین دین جائز ہے۔

اس نظریہ کا تنقیدی جائزہ

حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ صحیح تر ہے اس نظریہ پر ہمیں جو اعتراض ہو سکتا ہے وہ ہے وہ اصل جس پر اس نظریہ کے قائل لوگوں نے اعتماد کیا ہے کہ کرنسی نوٹ سونے یا چاندی سے نکلے ہیں یہ ان کا متبادل یا بدل ہیں اور ان کا اصل (سونا چاندی) اپنے مصدر یا جاری کنندہ کے پاس خزانے میں محفوظ ہے۔

ہمارے اس تحقیقی مقالہ کی چوتھی فصل میں یہ بات کہی جا چکی ہے کہ کرنسی نوٹوں کے مختلف مراحل سے گزرنے اور عوام میں مقبول ہو کر رائج ہو جانے اور اپنی ایک ساکھ بنا لینے کے بعد ان کے جاری کنندگان نے یہ ضروری نہیں سمجھا کہ ان کے اصل یعنی سونا چاندی کو واقعتاً خزانے میں جمع رکھا جائے اور اتنی مقدار جمع رکھی جائے جتنی مالیت کے نوٹ جاری کئے جا چکے ہیں بلکہ اب بہت ہی تھوڑی مقدار جمع رکھی جاتی ہے جو ان نوٹوں کی بہت کم مقدار کے مقابل ہے اور زیادہ تر نوٹ بس اپنی ساکھ پر چل رہے ہیں نہ کہ اصل زر کے متبادل کے طور پر۔ البتہ جاری کنندہ ان کا ضامن ہے اور یہ ضمانت لازمی طور پر سونے چاندی کی صورت میں نہیں بلکہ پراپرٹی کی صورت میں بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ جرمنی نے کیا جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی مالیت کے مساوی واقعی اصل زر موجود ہو جیسا کہ اکثر آسٹریلوی ممالک میں ہے۔

چنانچہ یہ نظریہ بھی حقیقت واقعہ کے مطابق نہ ہونے کی بناء پر قابل التفات نہیں کیونکہ اس کا دارومدار کرنسی نوٹوں کی اصل پر ہے اور اصل جیسا کہ ہم پہلے ہی واضح کر چکے ہیں کہ وہ تو کرنسی نوٹوں کی پشت پر ہے نہیں بلکہ اکثر ممالک کے نوٹ محض ساکھ کی بناء پر' زبانی ضمانتوں اور حکومتوں کے جاری کردہ ہونے کی بناء پر رائج اور قابل قبول ہیں ورنہ ان کے پیچھے نہ تو سونا ہے نہ چاندی۔ بلکہ کچھ ایسے ہیں جنہیں پراپرٹی کی ضمانت حاصل ہے اور کچھ کو محض اقتدار کی ضمانت۔ لہٰذا یہ نظریہ خلاف واقعہ ہونے کی بناء پر بہت کمزور ہے۔

چھٹی بحث یا فصل سادس

سونے چاندی میں علت ربا (یا سود کا سبب) :

شاید میری طرح اور لوگ بھی یہ سوال کرتے ہوں گے جیسا کہ میں سیکنڈری اسکول کے زمانہ میں فقہ کا مضمون پڑھتے ہوئے ربا کے بارے میں پوچھتا رہتا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ دیکھا کہ فقہاء کرام جب وہ ضابطہ بیان کرتے ہیں جو سود کے سلسلہ کا ہے تو وہ اس کی ایک علت یا سبب بیان کرتے ہیں۔ **مثلاً** وہ یہ کہتے ہیں کہ سونے اور چاندی میں "وزن" علت ربا یا سبب سود ہے اور ناپی جانے والی چیزوں میں "ناپ" علت ربا یا سبب سود ہے سونے چاندی میں علت ربا وزن اور باقی چار اصناف میں علت ربا "ناپ" کیوں ہے جیسا کہ حدیث عبادہ ابن صامت میں مذکور ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ وزن یا ناپ کو سود کی علت قرار دینا ایک وصف طردی کی بناء پر ہے جس میں کوئی حکمت نہیں اور جمہور علماء اصول فقہ کے ہاں وصف طردی علت نہیں ہوسکتا۔ الامدی نے اپنی کتاب "احکام الاحکام" میں قیاس اور اس کی شرائط میں لکھا ہے۔(۴۲)

علماء کا اس معاملہ میں اختلاف ہے کہ علت دراصل امارت مجردہ کا نام ہے اور مذہب مختار یہ ہے کہ علت کے لئے ضروری ہے کہ وہ اصل میں باعث کے معنی میں ہو' یعنی وہ حکمت صالحہ پر مشتمل ہو اور یہ کہ شارع کا اسے بیان کرنے کا مقصد حکم وضع کرنا ہو اور اگر وہ صرف ایک خوبی یا وصف ہو جس میں کہ کوئی حکمت نہ ہو' بلکہ وہ امارت مجردہ (محض امارت) ہو تو پھر اصل میں اس سے علت یا دلیل قائم کرنا دو وجہوں سے ممنوع ہوگا۔ پہلی وجہ تو یہ کہ ایسی امارت میں سوائے حکم کی تعریف کے اور کوئی بات خاص فائدہ کی نہ ہوگی اور حکم اصل میں خطاب سے معروف ہے نہ کہ اس سے حاصل (مستنبط) ہوتی اور متنوع ہوتی ہے' اب اگر یہ خاص کے

حکم کی تعریف کرنے والی ہو تو پھر یہ اس تک محدود (متوقف) ہوگی اور اس سے متفرع ہوگی۔ جبکہ یہ ایسا لامتناہی سلسلہ ہے جو ممکن نہیں۔

استاذ علی حسب اللہ نے اپنی کتاب اصول التشریع الاسلامی میں صاحب شرح تلویح سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"... جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ وصف صرف طرد سے علت نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے معنی اس میں پائے جائیں جو سمجھ میں آتے ہوں اور اس قابل ہوں کہ ان کی وجہ سے وصف بنائے حکم کے لائق محسوس ہو..." (۴۳)

مسودہ آل تیمیہ میں لکھا ہے :

ابن برہان کہتے ہیں کہ "قیاس اور الحاق کسی مناسب علت اور ایسے شبہ کے بغیر جو ظن پر غالب ہو جائز نہیں اور یہ ہمارے اصحاب اور اکثر احناف کے نزدیک ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا اس طرح ہمارے صاحب **ابوالخطاب** اور قاضی نے ذکر کیا ہے اور یہی امام احمد سے مروی ہے اور **المجرد** میں انکے الفاظ ہیں کہ کسی فعل کو اصل کی طرح ہونا ناجائز نہیں جب تک کہ اس کی علت معینہ اس کے الحاق کا تقاضا نہ کرے یا یہ تنبیہہ کی قسم سے ہو' ورنہ نہیں (۴۴)

"...ابن القیم رحمتہ اللہ علیہ اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں کہ وزن سے علت اخذ کرنے کی کوئی مناسبت نہیں یہ طرد محض ہے..." (۴۵) وزن سے علت اخذ کرنے کے مسئلہ پر تنقید اور اس میں کسی مناسبت کے نہ پائے جانے کے مسئلہ میں ایک اشارہ ہے کہ **ابن القیم** علت میں مناسبت کی شرط لگاتے ہیں جیسے ان کی طرح دیگر علم اصول کے محقق علماء نے لگائی ہے۔ چنانچہ سونے چاندی میں سود کی علت وزن کو قرار دیئے جانے پر تنقید کرتے ہوئے اور ان دو کے علاوہ اجناس میں ناپنے کو علت قرار دیئے جانے کے بارے میں شیخ محمد رشید رضا نے اپنی کتاب "یسر الاسلام و اصول التشریع العام" میں لکھا ہے۔ میں ناپ اور تول کو سود کی علت یا سبب ربا خیال نہیں کرتا۔ جس طرح کہ روزے دار کے لئے پیٹ میں کسی چیز کے جانے کو کھانے پینے سے ممانعت کی علت ظاہر ہے۔ کیونکہ دونوں علتوں پر شرع سے کوئی دلیل ہے نہ لغت سے اور نہ ہی عقل اس حکم اور مصلحت کو سمجھ سکتی ہے (۴۶)

بعض علماء نے ایک عام وصف کو علت مانا ہے' **المستصفی** میں امام غزالی نے لکھا ہے علت حکم کا اس کے سوا کوئی مطلب نہیں کہ یہ حکم کی ایک علامت ہے اور یہ جائز ہے کہ شرع نشہ کو شراب کی حرمت کی علت قرار دے دے اور یہ کہے کہ اس علامت کو اختیار کرو اور ہر نشہ آور چیز سے پرہیز کرو اور یہ بھی روا ہے کہ وہ اسے حلال یا جائز ہونے کی علت قرار دے اور اس طرح ہر نشہ آور چیز حلال ہوجائے اور جس کسی نے اسے علت تحریم سمجھا

ہے تو اس پر ہر نشہ آور چیز حرام ہو جائے گی(۴۷) **المستصفی** ہی میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں فقہی معاملات میں علت کے معنی علامت کے ہیں۔(۴۸)

ڈاکٹر سعید رمضان نے اپنی کتاب "ضوابط **المصلحہ** فی الشریعہ الاسلامیہ" میں امام غزالی کی کتاب **شفاء العلیل** سے نقل کیا ہے کہ ہر وہ چیز جو حکم کے لئے **علت** قرار پائے وہ **علت** ہے کیونکہ شارع نے اسے کسی مناسبت سے **علت** نہیں کہا(۴۹)

علامہ ابن قدامہ اپنی کتاب "روضتہ الناظر" میں لکھتے ہیں **علت** شرعیہ کے معنی علامت ہیں اور جائز ہے کہ یہ حکم شرعی ہو اور یہ بات بیان کرتے ہوئے انہوں نے یہاں تک کہا کہ یہ مناسب حال بھی ہو سکتی ہے اور اس کے برعکس بھی(۵۰)

بہرکیف ہمارا موضوع بحث یہ نہیں بلکہ ہم نے اسے صرف اپنی براءت کے اظہار کے لئے ذکر کر دیا ہے۔ اور عام وصف کو **علت** قرار دینے والوں کی تعداد زیادہ ہو یا کم اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہ ہے سونے چاندی میں سبب (**علت**) ربا کے سلسلہ میں فقہاء کے اقوال اور ان کا تقابلی جائزہ اور ان میں سے اسے اختیار کرنے کا معاملہ جو حق کے قریب تر ہو۔

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سونے چاندی میں ربا کا سبب (**علت**) کیا ہے اور یہ اختلاف ان کے سود کی حرمت کو سمجھنے کے سبب ہے۔ کوئی تو اس کی حرمت پر دلیل حسب منشاء نہ ملنے کی وجہ سے حرمت کا قائل نہیں اگرچہ یہ دونوں (سونا چاندی) خام حالت میں ہوں' یا ڈھلے ہوئے (سکوں کی صورت میں) ہوں اور یہ مذہب اہل **الظواہر** کا ہے' قیاس اس کی نفی کرتا ہے اور علامہ ابن عقیل جو کہ حنابلہ (**حنبلیوں**) کے عالم ہیں انہوں نے بھی اسے نہیں مانا' ان کے خیال میں سونے چاندی کے سلسلہ میں سبب کمزور ہے جس پر اسے قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ ان حضرات کے ہاں سکوں پر کوئی سود (ربا) نہیں اور نہ ہی کرنسی نوٹوں پر' اور نہ ایسی کسی بھی چیز پر جو نقدی ہو' ان کے نزدیک حرمت ربا ایک امر تعبدی ہے۔

اہل ظاہر کے علاوہ وہ لوگ جنہوں نے ان کا قول اختیار کیا انہوں نے تحریم میں حکمت سمجھی جو شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے اختیار کی گئی ہے اور وہ ہے اللہ کے بندوں پر احکام کے سلسلہ میں عدل' رحمت اور مصلحت اور یہ شریعت کے اصول شمول و **استقصاء** سے بھی مطابقت رکھتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ربا کے سلسلہ میں سونے اور چاندی پر نص کے اطلاق کو بطور تمثیل لیا ہے کیونکہ رواج انہیں دو کا ہے اور انہیں دو کا کمی بیشی کے ساتھ لین دین رائج ہے جس سے کہ لوگوں کے درمیان فساد' ظلم اور قساوت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایسا راستہ تلاش کیا جس سے ربا کا قاعدہ منضبط ہو سکے ہاں البتہ اس ذریعہ یا راستہ کے سلسلہ میں ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ چنانچہ بعض نے کہا کہ نقدین یعنی سونے اور چاندی میں علت ربا

(سبب سود) وزن ہے۔ چنانچہ انہوں نے ہر موزونی (وزن کی جانے والی چیز) پر سود کا اطلاق کیا جیسے لوہا' تانبا' سکہ' پیتل' چاندی سونا' اون' کاٹن وغیرہ۔ اور یہ امام احمد بن حنبل کا مشہور مذہب ہے۔ امام نخعی' امام زہری' سفیان الثوری' اسحاق اور دیگر اصحاب رائے بھی یہی کہتے ہیں۔ ہاں البتہ وہ چیزیں جو سونے چاندی کے علاوہ مصنوعات سے تعلق رکھتی ہوں ان کے مصنوعات ہوجانے کی وجہ سے وزن کے قاعدے سے ان کا استثناء کرنے میں اختلاف ہے جیسے لگامیں' سوئیاں' بالٹیاں' پتیلیاں' چھریاں اور سوتی ریشمی یا اونی کپڑے' یا سکے وغیرہ۔ تو جمہور علماء کی رائے میں ان پر سودی احکام کا اطلاق نہیں ہوگا۔ جبکہ بعض علماء کا خیال ہے کہ سونے اور چاندی میں سود کا سبب ان کی ثمنیت (کرنسی ویلیو) ہے یہی رائے امام مالک اور امام شافعی کا مذہب مشہور ہے۔ ان دونوں کے ہاں بھی سونے چاندی میں سبب سود کا انحصار اس پر ہے اور غلبہ ثمنیت کی رائے سکوں سے احتراز کی بناء پر ہے جب وہ سونے چاندی کی بجائے رائج ہوجائیں۔ ان دونوں میں علماء کے نزدیک ثمنیت ایک عارضی کیفیت ہے جس میں ربا نہیں۔

ایک تیسرے فریق کا خیال یہ ہے کہ سونے چاندی میں سبب سود صرف اور صرف ثمنیت ہے اور یہ خیال امام مالک کی ایک روایت اور امام ابو حنیفہ و امام احمد کے قول کے مطابق ہے۔ ابو بکر رازی کہتے ہیں امام احمد سے ایک جماعت نے اسے روایت کیا ہے۔ یہی شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم اور دیگر علماء محققین کا مذہب ہے۔

امام ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ کے مجموعہ میں کہتے ہیں۔

یہاں مقصد کلام و دنانیر میں سود کا سبب بتانا ہے اور زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ان میں سبب سود ثمنیت ہے نہ کہ وزن جیسا کہ جمہور علماء نے کہا ہے پھر امام ابن تیمیہ اس سلسلہ میں گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے یہاں تک پہنچتے ہیں کہ ثمنیت کی تعلیل ایک مناسب وصف کی تعلیل ہے اور اثمان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا معیار ہوں جس کے ذریعہ اموال کی قدروں values کا اندازہ کیا جاسکے۔ ان کے اصل سے کوئی نفع اٹھانا مقصود نہیں ہوتا۔ جب بھی ان کا ایک دوسرے سے لین دین کیا جائے گا تجارت کی غرض سے کیا جائے گا۔ جو کہ ثمنیت کے مقصود کے خلاف ہے اور ان میں طرفین کے حلول اور قبضہ کی شرط مقصود کی تکمیل کی خاطر ہوتی ہے جس کے ذریعہ اصل غرض کے حصول تک پہنچا جاتا ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جبکہ یہ ملکیت میں ہوں اور ان پر قبضہ کرلیا گیا ہو نہ کہ کسی کے ذمہ صرف ثابت ہوجانے سے' جبکہ یہ دونوں طرف سے ثمن ہی ہوں گے اور شارع نے ثمن کو ثمن کے بدلے مدت معینہ تک فروخت کرنا منع کیا ہے اب اگر سکوں کو ثمن تصور کیا جائے تو ان میں یہ کیفیت پیدا ہوجائے گی اور اس طرح ان کا ایک دوسرے کے بدلے ادھار لین دین ممنوع ٹھہرے گا(٥١)

ان آراء کا تجزیہ

ہم نے بہت ہی مختصر انداز میں چلتے چلتے مشہور علماء کی سونے اور چاندی میں سبب سود پر آراء پیش کی ہیں اور ان پر کوئی بحث نہیں کی۔ تاہم اب ہم ان آراء کا تجزیہ کرتے ہیں تاکہ ان کی حقیقت ظاہر ہوسکے اور ان میں سے ایسی رائے قابل ترجیح قرار دی جاسکے جو امت اسلامیہ کو ربا سے بچانے کے سلسلہ میں مفید ہو' تاکہ ہم نے جو کرنسی نوٹوں کی حقیقت پر گفتگو کی ہے اس پر ہماری رائے مزید قوی اور واضح ہوکر سامنے آئے۔

بعض اہل علم نے' ان علماء پر جو سونے اور چاندی میں سبب سود وزن کو قرار دیتے ہیں اعتراضات کئے ہیں اور یہ واضح کیا ہے کہ علماء سونے چاندی کو موزونی اشیاء تسلیم کرنے پر متفق ہیں۔ اور ان کا لین دن قابل وزن یا موزونی کا موزونی کے بدلے ادھار ٹھہرے گا اور اس کو جائز کرنے میں سبب یا علت کا نقص لازم آتا ہے الشیخ ابو محمد عبداللہ بن قدامہ رحمتہ اللہ علیہ نے المغنی میں ثمنیت کے قائل لوگوں کی رائے کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ :

"اگر اثمان میں علت (سبب سود) وزن ہو تو انہیں موزونات میں شمار کرنا درست نہ ہوگا کیونکہ ربا‌ء الفضل کے دو اسباب میں سے ایک پایا جانا حرمت نساء ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔"(۵۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے "مجموع فتاویٰ" میں ثمنیت کے قول کی توجیہ بیان کرتے ہوئے کہا ہے اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ سونا اور چاندی موزونی اشیاء میں سے ہیں اور ان کا لین دین موزونی کا موزونی سے ادھار لین دین شمار ہوگا اور اگر علت وزن کو مان لیا جائے تو یہ لین دین جائز نہ ہوگا۔ منازع کہتا ہے اس کا جائز ہونا مستحسن ہے جو کہ علت کے متناقض و منافی ہے اور منازع کہتا ہے کہ یہ ضرورت کی بناء پر جائز کیا گیا ہے جبکہ قیاس کی رو سے یہ حرام ہے(۵۳)

اعلام الموقعین میں ابن القیم رحمتہ اللہ علیہ ثمنیت کے قول کی توجیح بیان کرتے ہوئے اور اسے صحیح قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

"کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سونا چاندی موزونات میں سے ہیں جیسے تانبا' لوہا وغیرہ اور اگر لوہا وغیرہ اموال ربویہ (سودی) ہوتے تو ان کا نقد دراہم کے بدلے مدت معینہ تک (ادھار) سودا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ جس میں بھی ربا کا حکم جاری ہو اگر اس میں جنس مختلف ہوجائے تو اس میں نساء کے برخلاف تفاضل جائز ہے اور جب علت بغیر کسی فرق موثر کے ٹوٹ جائے تو یہ اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے اور یہ کہ وزن کو علت ماننا کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور یہ طرد محض ہے(۵۴)

حنابلہ میں سے وہ علماء جو اس کے قائل ہیں انہوں نے سونے چاندی کو باوجودیکہ ان کی

تجارت موزوں کی موزون کے بدلے مدت معینہ (ادھار) پر ہے علماء کے انہیں قابل وزن اشیاء میں تسلیم کرنے پر اجماع کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ جزیہ قاعدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ ان دونوں (سونا چاندی) میں سے کسی ایک کو مستثنیٰ ماننے کی شدید ضرورت ہے اور یہ کہا ہے کہ دونوں جنسوں میں رباء النسیئہ جاری کرنے سے یہ دونوں رباء الفضل کی علت میں برابر ہیں جبکہ دونوں میں سے کوئی ایک نقد نہ ہو' تاہم حنفیہ نے شرط لگائی ہے تاکہ اس اعتراض کو ختم کیا جاسکے۔ اور انہوں نے یہ کہا ہے کہ دونوں جنسوں میں رباء النسیئہ کا ضابطہ جاری کرنے سے یہ رباء الفضل کی علت میں برابر ہوں گے۔ اور یہ کہا کہ سلم کا مسئلہ ہمارے قاعدے کے خلاف نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں (سونا چاندی) قابل وزن ہیں اور سلم کا قاعدہ وہاں جاری ہوتا ہے جہاں وزن کیا جائے اور وزن میں کمی بیشی ہو۔ جب وزن میں کمی بیشی ہوگی تو جائز ہوگا(۵۵) اس قیدیا شرط میں جو تکلف ہے وہ ظاہر ہے۔

ایک اور اعتراض جو علت ربا وزن کو قرار دیتے ہیں ان پر یہ ہے کہ حرمت ربا صرف ان اشیاء تک محدود نہیں جو وزن کی جاتی ہوں بلکہ یہ انکے علاوہ دیگر چیزوں میں بھی ہے جیسا کہ گنی جانے والی اشیاء مثلاً سکے' کرنسی نوٹ۔ بلکہ وہ زیادتی جس کا دور کرنا ضروری ہے وہ سونے چاندی میں حرمت ربا ہے جو کرنسی نوٹوں کی صورت میں رائج ہے اور بڑی واضح شکل میں موجود ہے۔ جس کے مقابلہ میں سونے چاندی کا ایک دوسرے کے بدلے برابر برابر یا کمی بیشی سے لین دین کچھ بھی نہیں خصوصاً" بڑے نوٹوں کی قیمت زیادہ ہونے کے اعتبار سے جیسے سو ریال یا سو ڈالر کا نوٹ۔

چنانچہ وزن کو علت قرار دینا ان تمام چیزوں کو شامل نہیں جو اس کے اجزاء ہوسکتے ہیں جیسے اثمان اور اس کی اقسام۔ چنانچہ ایک جامع مانع علت ہونی چاہئے جو سب جزئیات کو شامل ہو۔

رہے وہ لوگ جن کے خیال میں سونے چاندی میں علت ربا غلبہ ثمنیت ہے تو ان پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ تمہاری یہ دلیل سونے اور چاندی تک محدود ہے اور کسی محدود علت کو علت نہیں مانا جاسکتا جیسا کہ اکثر اہل علم نے کہا ہے امام نووی نے شرح المھذب میں شافعیہ پر علت قاصرہ کے سلسلہ میں اعتراض کا جواب دیتے ہوئے المجموع میں کہا ہے کہ "تمہارے نزدیک علت قاصرہ کے سلسلہ میں اصحاب شافعی کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ فاسد ہے اور اس میں کوئی فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے اس سے تعلیل درست نہیں کیونکہ اصل کا حکم ہمیں معلوم ہوچکا ہے اور علت کا مقصد غیر کا اصل سے الحاق ہوتا ہے۔ دوئم یہ کہ قاصرہ صحیح ہے مگر متعدیہ اولیٰ ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ تمہاری علت دو وجہوں کی بناء پر مردود ہے کیونکہ سونے چاندی کا حکم ہمیں نص سے معلوم ہوگیا اور یہ کہ تمہاری علت بغیر حکم کے ہے

اور کبھی حکم ہوتا ہے علت نہیں ہوتی' جیسے خراسان میں سکے وغیرہ کہ یہ اثمان ہیں اور تمہارے نزدیک ان میں ربا نہیں' دوسرے سونے چاندی کے برتن کہ ان میں ربا نہیں جبکہ یہ اثمان ہیں(۵۶)

ان پر بھی وہ اعتراض ہوتا ہے جو وزن کو علت ماننے والوں پر' کیونکہ حرمت ربا صرف سونے چاندی ہی میں نہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر اثمان میں بھی ہے جیسے سکے اور کرنسی نوٹ۔

اب رہا ان لوگوں کا معاملہ جو سونے چاندی میں علت ربا صرف ثمنیت کو قرار دیتے ہیں تو انہوں نے سونے چاندی میں حرمت ربا کے لئے ایک نہایت جامع مانع سبب بیان کیا ہے جسے ابن مفلح نے اپنی کتاب الفروع میں لکھا ہے کہ یہ علت قاصرہ ہے جس سے بہت سے معاملات میں تعلیل نہیں ہوسکتی اور اس پر سکوں سے نقض لازم آتا ہے کیونکہ یہ اثمان ہیں اور زیورات اس کے برعکس ہیں۔ چنانچہ یہ اعتراض ان پر ہے جو غلبہ ثمنیت کے قائل ہیں رہے وہ لوگ جو صرف ثمنیت مطلقہ کے قائل ہیں اور انہوں نے رائج الوقت سکوں کو سونے چاندی کے حکم سے خارج نہیں کیا بلکہ انہیں بھی نقد ہی میں شمار کیا ہے جس پر سونے اور چاندی کی طرح دونوں طرح کے سود کے احکام کا اطلاق ہوتا ہے۔

ان علماء نے سونے اور چاندی کے زیورات میں ربا کے جاری ہونے کی بات نہیں کی کیونکہ زیورات بن جانے کی وجہ سے سونے چاندی کی حیثیت ثمنیت سے تبدیل ہوکر سامان اور کپڑوں کی سی ہوگئی لہٰذا ان میں زکوۃ بھی مشہور قول کے مطابق نہ ہوگی باوجودیکہ ان کا اصل مادہ سونا چاندی ہی ہے۔

ابن القیم سونے چاندی کے مباح زیورات پر احکام سود کے اطلاق سے متعلق اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں :

رباء الفضل بقدر حاجت کو میں مباح کہتا ہوں جیسے عرایا میں' کیونکہ جو حرمت سد ذرائع کے لئے ہے وہ اس سے کم تر ہے جو تحریم مقاصد کے لئے ہے اس لئے ڈھلا ہوا سونا یا زیورات اگرچہ ان کی مصنوعات بطریق حرام بنائی گئی ہوں جیسے برتن کہ ان کی خرید و فروخت برتنوں یا نقدی اور چیز کے عوض حرام ہے اور یہی وہ تجارت جسے حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے حرام کہا ہے اس کے ضمن میں اثمان کی صیاغت محرمہ جائز نہیں جیسا کہ آلات ملاہی' اور اگر یہ صیاغت مباح (جائز قسم کی ڈھلائی) ہو جیسے چاندی کی انگوٹھی یا خواتین کے زیورات یا اسلحہ کے بعض اجزاء وغیرہ تو انہیں کوئی بھی عقل مند شخص وزن کے حساب سے نہ لے گا کیونکہ ایسا کرنے سے صنعت و کاریگری کی کوئی قدر نہ رہے گی اور شارع کی شان اس سے بلند تر ہے کہ وہ امت کو ایسے کسی حکم کا پابند کرے' شریعت نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا اور نہ ہی اس کی خرید

و فروخت سے منع کیا ہے کیونکہ لوگوں کو اس کی ضرورت رہتی ہے۔ ہاں البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا ہم جنس تبادلہ جائز نہیں بلکہ ان کا کسی دوسری جنس کے عوض لین دین ہونا چاہئے اور اس میں نقصان' تنگی اور پریشانی ہے جس سے شریعت روکتی ہے۔ کیونکہ اکثر لوگوں کے پاس سونا نہیں ہوتا کہ جس کے بدلہ میں وہ کوئی اور چیز جو خریدنا چاہیں خرید سکیں اور بیچنے والا اسے گندم جو اور کپڑوں کے بدلے نہ بیچے گا اور اس شخص کے لئے اسے ڈھالنا ناممکن یا مشکل ہے اور شریعت میں حیلے باطل ہیں' شارع نے کچی کھجور کو پختہ کھجور کے بدلے بیچنا جائز قرار دیا ہے کیونکہ کچی کھجور میں لوگوں کی رغبت زیادہ ہوتی ہے۔ اب اس کا اس سے کیا تعلق جس کی ڈھلے ہوئے سونے چاندی کی تجارت میں ضرورت پڑتی ہے۔ چنانچہ اس کی خرید و فروخت کے جواز کے سوا اور کوئی صورت نہیں نکلتی جس طرح کہ سامان کی خرید و فروخت۔ اگر دراہم سے اس کی خرید و فروخت جائز نہ ہو تو لوگ مشکل میں پڑجائیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو نصوص وارد ہیں ان میں صراحتاً ممانعت کسی میں بھی نہیں اور مقصد اس کا یہ ہے کہ اسے عام رکھا جائے یا مطلق۔ قیاس جلی سے عام کی تخصیص اور مطلق کی تقیید سے انکار نہیں یہ سونے اور چاندی میں زکوۃ سے متعلق نصوص کی طرح ہیں۔ جمہور علماء فرماتے ہیں اس میں حیلہ داخل نہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دو جگہوں پر نصوص کے الفاظ کبھی بمنزلہ دراہم و دنانیر استعمال ہوتے ہیں اور کبھی بمنزلہ سونا و چاندی جیسے یہ کہا گیا ہے (الدراھم بالدراہم و الدنانیر بالدنانیر) اور زکوۃ کے بارے میں ان کا فرمان ہے کہ رقہ میں ربع عشر ہے اور رقہ سے مراد ورق (کاغذ) ہیں اور اسی طرح ڈھلے ہوئے دراہم ہیں۔ پس اگر مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے تو اس سے سونے چاندی میں ربا کی ممانعت جبکہ زکواۃ کا وجود لازم آئے گا۔ اور اس سے سونے چاندی کے علاوہ دیگر اشیاء میں حکم کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ اس میں کچھ تفصیل ہے۔ چنانچہ بعض صورتوں میں زکوۃ واجب ہوگی اور ربا جاری ہوگا اس طرح دلائل پوری طرح آگئے اور کسی بھی دلیل سے کسی چیز کا خلاف لازم نہیں آتا(۵۷)

اس کی مزید وضاحت اس سے ہوتی ہے کہ جائز زیورات جائز طرح ڈھالنے سے کپڑوں اور دیگر سامان کی مانند ٹھہرتے ہیں نہ کہ اثمان قرار پاتے ہیں اسی لئے ان پر زکوۃ نہیں اور نہ ہی ان کے اور اثمان کے مابین ربا جاری ہوتا ہے جس طرح کہ اثمان اور دیگر سامان پر ربا جاری نہیں ہوتا۔ اگر یہ اس کی جنس کے علاوہ ہوں تو صناعت کی وجہ سے یہ اثمان کے دائرہ سے نکل گئے اور تجارت کے قابل ٹھہرے چنانچہ ان کا ہم جنس تبادلہ بھی حرام نہ رہا۔

اور نہ یہ معاملہ اس زمرے میں داخل ہوگا جس کے بارے میں کہا گیا "کہ چاہو تو ادا کردو اور چاہو تو سود بڑھا دو" اسی طرح یہ دیگر سامانوں میں بھی شمار نہ ہوگا اگر چہ اسے ادھار پر فروخت کیا جائے۔ اس میں شک نہیں کہ ایسا اس میں ہوتا ہے لیکن اگر اسے لوگوں سے روک

لیا جائے تو اس سے ان پر دین کا ایک دروازہ بند ہو جائے گا۔ اور اس سے انہیں شدید نقصان پہنچے گا۔ اس کی وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگ زیورات بناتے تھے اور خواتین زیورات پہنتی بھی تھیں اور عید کے مواقع پر انہیں صدقہ بھی کرتی تھیں اور حضور یہ زیورات ضرورتمندوں کو عنایت فرماتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ انہیں فروخت کریں گے اور یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ وہ لوگ زیورات کو بحساب وزن فروخت نہیں کرتے تھے کہ اس سے نقصان ہوتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ایک چھلا یا انگوٹھی یا ایسی ہی کوئی معمولی چیز ایک دینار کی بھی نہ ہوگی اور اس زمانے میں سکوں کا رواج بھی نہ تھا۔ پھر وہ لوگ اللہ پر تقویٰ کرنے والے اور دین شناس تھے اور حیلوں کا ارتکاب کرنے والے نہ تھے نہ وہ لوگ ایسے حیلوں سے واقف تھے' یہ سب صورت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کسی بھی صحابی سے نہیں سنا گیا کہ اس نے زیورات کو کسی دوسری جنس کے بدلے یا موزونی طور پر بیچنے سے منع کیا ہو۔ ان سے جو کچھ منقول ہے وہ بیع صرف سے متعلق ہے۔ اس سے اس بات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ رباء الفضل کی حرمت سد ذریعہ کے طور پر تھی جیسا کہ اس کا مفصل حال گزر چکا اور جو کوئی امر سد ذریعہ کی بناء پر حرام قرار دیا گیا ہو وہ نظریہ ضرورت کے تحت مصلحت راجحہ کے وقت مباح ٹھہرے گا۔ جیسا کہ عرایا کو ربا الفضل سے مستثنیٰ کیا گیا ہے اور جس طرح کہ فجر اور عصر کے بعد نوافل کی ممانعت ہے مگر ذوات الاسباب مباح ہیں۔ اسی طرح منگیتر کا دیکھنا' گواہ کا دیکھنا اور ڈاکٹر کا دیکھنا مباح ہے جبکہ دیگر امور میں کسی کا غیر محرم (خاتون) کو دیکھنا حرام ہے۔ سونے چاندی اور مردوں کے لئے ریشم کے استعمال کی حرمت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ اس میں خواتین سے مشابہت کے ایک راستہ کو بند کیا گیا ہے جسے ہم سد ذریعہ کہیں گے۔ کیونکہ خواتین کی مشابہت اختیار کرنے والے کو ملعون کہا گیا ہے جبکہ بوقت ضرورت درہ ان اشیاء کا استعمال مباح ہے۔ اسی طرح زیورات جو کہ جائز استعمال کی خاطر بنائے گئے ہوں ان کی خرید و فروخت وزن کی بجائے ان کی قدر value کے لحاظ سے مباح ہونی چاہئے کیونکہ اس کی ضرورت ہے۔

ابن القیم کے اس نظریہ پر کہ ڈھلے ہوئے زیورات میں حکم ربا جاری نہ ہوگا ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جو کہ مسلم' نسائی ابو داؤد اور ترمذی کی روایت میں ہے فضالہ بن عبید کہتے ہیں کہ میں نے غزوہ خیبر کے موقع پر بارہ دینار میں ایک ھار خریدا جس میں سونا اور پتھر کے نگینے تھے میں نے اسے کھولا تو اسے بارہ دینار سے زیادہ کا پایا۔ چنانچہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا حضور نے فرمایا اسے کھولے بغیر فروخت کرنا صحیح نہیں۔ اور ابو داؤد کی روایت میں ہے کہ حضور کے پاس ایک ہار لایا گیا جس میں سونا اور نگینے تھے جسے ایک شخص نے نو یا سات دینار میں خریدا تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کو الگ

کئے بغیر نہ بیچا جائے۔ اس شخص نے کہا کہ میرا ارادہ تو یہ نگینے لینے کا ہے۔ حضور نے فرمایا جب تک ان کو سونے سے الگ نہ کرو' کہتے ہیں کہ اس نے اسے واپس کیا اور پھر سونا اور نگینے الگ کئے گئے۔

اس اعتراض کے وارد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہار ایک ایسا زیور تھا جس میں سونا تھا اور اسے سونے کے بدلے خریدا گیا تھا اس کے باوجود حضور نے اس کی خرید و فروخت پر اعتراض فرمایا اور حکم دیا کہ اسے واپس کر کے الگ کیا جائے۔ اس پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایسا کرنے کا حکم حضور نے اس لئے دیا ہو کہ ہار میں جو سونا تھا اس کی مقدار اس کی قیمت سے زیادہ تھی جیسا کہ فضالہ نے بیان کیا کہ انہوں نے جب اس ہار کو کھولا تو انہوں نے اسے بارہ دینار سے زیادہ قیمتی پایا جبکہ اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت جو بیان کی گئی وہ بارہ دینار تھی جبکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اسے سات یا نو دینار میں خریدا تھا اب اگر اس میں سونا اصل قیمت سے زیاد تھا تو اس کی ڈھلائی یعنی زیور بنانے کی محنت کے مقابل کوئی رقم نہ ہوئی۔ لہٰذا معاملہ وہیں پہنچا کہ سونے کو سونے کے بدلے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا' جبکہ اس میں ایک طرف سے جو زائد مقدار ہے اس کے مقابل دوسری طرف سے کچھ بھی نہیں۔

اور علامہ ابن القیم رحمتہ اللہ علیہ یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ زیور کی قیمت اس کے وزن سے زائد ہوگی۔ تاکہ جو دوسری طرف سے وزن میں زیادتی ہو وہ اس محنت کا بدلہ ہوجائے جو اسے زیور بنانے میں کرنا پڑی اور ہم نے پہلے ہی ان کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ "اسی طرح زیور کو سونے کے بدلے ذرا زیادہ مقدار کے عوض فروخت کیا جائے گا تاکہ یہ زیادتی زیور کی ڈھلائی کا بدلہ یا مقابل ٹھہرے" اس رائے کے دفاع میں پھر ابن القیم فرماتے ہیں کہ "زیورات کو سونے کی ذرا زیادہ مقدار کے بدلے فروخت کرنے سے کیوں روکا جاتا ہے جبکہ یہ زیادتی اس پر کی جانے والی محنت (ڈھلائی وغیرہ) کے مقابل ہے" (۵۸)

اسی طرح کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے انگریزی کرنسی کی اسلامی دراہم کے عوض خرید و فروخت کے حوالہ سے جواب دیتے ہوئے دیا ہے کہ ان کے مابین وزنی تفاوت ہے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ(۵۹) میں ہے اسی طرح اگر ربا کی مقدار معلوم نہ ہو تو اندازہ کیا جائے جیسے ہار کے بارے میں غزوہ حنین کے موقع پر کیا گیا جس میں کہ سونے کے ساتھ نگینے لٹک رہے تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے نہ بیچا جائے جب تک کہ سونا اور نگینے جدا نہ کرلیئے جائیں" پھر جب اس ہار کو کھولا گیا تو وہ نگینوں والا سونا اس مطلق سونے سے زیادہ تھا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس کے بدلے جدا کئے بغیر فروخت کرنے سے منع فرما دیا۔ کیونکہ مطلق سونا ممکن ہے اس سونے سے کم ہو جو نگینوں سے جڑا ہوا ہے اور اس

سے سونے کے بدلے سونا بیچا ہو اور نگینے زائد ہوں اور یہ جائز نہیں (۶۰)

چنانچہ جب ماخذ کا علم ہوجائے تو پھر اگر دراہم کو دراہم کے بدلے برابر بیچا جائے صرف دراہم مخلوط سے زیادہ ہوں جیسا کہ کھرے دراہم کا کھوٹوں کے عوض سودا کرنا' کہ زیادتی اس ملاوٹ کا بدلہ ہوجائے اس میں ربا کی طرح کا کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں کم درہموں کے بدلے زاید درہم بیچنا مقصود نہیں اور نہ یہ ایسا معاملہ ہے جس میں زیادتی کا احتمال ہو چنانچہ اس طرح کی کمی بیشی جائز ہے۔

اس حدیث کے جواب میں یہ کہا گیا ہے کہ اس میں اضطراب اور اختلاف ہے لہٰذا اسے بطور حجت نہ لینا چاہئے بلکہ اس سے ترک حجت واجب ہے حافظ ابن حجر اپنی کتاب "تلخیص الحبیر فی احادیث الرافعی الکبیر" میں لکھتے ہیں۔ "...طبرانی میں اس کے متعدد طرق بیان ہوئے ہیں جن میں سے بعض میں ایک ایسے ہار کا ذکر ہے جس میں نگینے اور بعض میں ہے کہ جس میں سونا اور جواہرات تھے۔ اور بعض میں ہے کہ سونے کے نگینے تھے' کسی میں ہے کہ سونے سے لٹکے ہوئے نگینے تھے' کسی میں ہے بارہ دینار (قیمت) کسی میں نو دینار (قیمت) کا ذکر ہے اور ایک اور میں سات دینار کا ذکر ہے۔ اس اختلاف کے بارے میں امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ ایسی خرید و فروخت تھی جس کے شاہد فضالہ ہیں..." (۶۱)

غرض حافظ ابن حجر کہتے ہیں اس اختلاف سے روایت میں ضعف لازم نہیں آتا بلکہ اس سے جو غرض استدلال ہے وہ محفوظ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور وہ ہے کسی ایسی چیز کی خرید و فروخت کی مخالفت جو جدا جدا نہ کی گئی ہو رہا معاملہ اس کی جنس اور اس کی قیمت (Value) کا تو اس صورت میں اس کا اس سے کوئی تعلق نہیں جبکہ حکم اضطراب کی بناء پر ہو۔

میں کہتا ہوں' میں نے ہندوستان کے بعض متاخرین محدثین کو ابن حجر کے اس جواب پر تنقید کرتے پایا ہے۔ جیسا کہ جامع ترمذی کی شرح جزو ثانی کے صفحہ ۷۰۹ (۶۲) پر مفتی عبداللطیف رحمانی لکھتے ہیں کہ :

"حافظ ابن حجر نے جو اپنے جواب میں یہ کہا ہے کہ استدلال سے مقصود محفوظ ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اور وہ ایسی چیز کی بیع کی ممانعت ہے جو الگ الگ نہ کی گئی ہو' اس میں یہ بھی ہے کہ یہ غیر محفوظ ہے جیسا کہ بیہقی نے سنن میں فضالہ بن عبید سے روایت کیا کہتے ہیں "ہم خیبر کے موقع پر حضور کے ساتھ تھے اور ہم نے یہودیوں سے ایک اوقیہ سونا دو اور تین دینار کے بدلے لیا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سونے کو سونے کے بدلے صرف وزن کے حساب سے فروخت کرو اس حدیث میں ہار کا کوئی ذکر نہیں اور نہ ہی اس میں ایسی کسی چیز کی بیع کی ممانعت ہے جو جدا نہ کی گئی ہو بلکہ اس میں سونے کو دینار کے بدلے بیچنے کی

ممانعت ہے الا یہ کہ دونوں مماثل برابر ہوں اور وہ جو الحافظ نے کہا ہے تو چاہئے کہ روایت کے راویوں کے مابین ترجیح کو مد نظر رکھا جائے اگر تمام کے تمام ثقہ ہوں تو ہم ان میں سے زیادہ محفوظ رکھنے والے اور زیادہ یاد رکھنے والے کی روایت کو صحیح روایت قرار دیں گے اور اس میں یہ بھی ہے کہ اگر تمام راوی حفظ و ضبط میں برابر ہوں تو پھر ترجیح کیسے ہوگی؟ جبکہ کسی ثقہ کو غلط نہیں کہہ سکتے کہ اس پر اعتماد ہے۔

چنانچہ اس حدیث میں اضطراب کی وجہ سے یہ قابل حجت نہیں اور ہو بھی کیسے سکتی ہے کیونکہ اگر اس کے مطابق زیورات کو کھولنے اور توڑنے کا حکم دیا جائے تاکہ سونا اور نگینے وغیرہ الگ ہوں تو اس سے لوگوں کو بہت نقصان ہوگا اور امت کو مشقت میں ڈالنے والی بات ہوگی کیونکہ سونے چاندی کے بہت سے زیورات ایسے ہوتے ہیں کہ اگر انہیں کھول توڑ کر سونے اور نگینوں کو الگ کرلیا جائے تو زیور کی قیمت کچھ نہیں رہتی یا بہت ہی کم ہو جاتی ہے۔ اس طرح کا حکم شارع سے کیونکر متوقع ہو سکتا ہے کہ وہ صنعت گری کی کوئی قدر ہی نہ مقرر کرے جبکہ شارع تو منصف ہے۔

علامہ کے اعتراض پر میں کہتا ہوں کہ یہ جو انہوں نے کہا ہے کہ حفظ و ضبط میں تمام راوی برابر ہوں تو پھر ترجیح کیسے ہوگی؟ اور یہ کہ ثقہ ایسی بات کہے جو دیگر راویوں کے خلاف ہو تو اس کی ایسی روایت کو شاذ کہا جائے گا اس کو حجت نہیں مانا جائے گا اور اس میں توقف کیا جائے گا علامہ ابن کثیر رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب "الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث" میں شاذ کی تعریف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"امام شافعی نے شاذ کی یہ تعریف کی ہے کہ کوئی ثقہ ایسی روایت بیان کرے جو دیگر بیان کرنے والوں کے خلاف ہو مگر ایسی روایت شاذ نہیں کہ جسے ایک ثقہ تو روایت کرے اور دوسرے بالکل ہی روایت نہ کریں۔

حافظ ابو یعلی الخلیلی القزوینی نے بھی حجازیوں کی ایک جماعت کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ "حفاظ حدیث کا مذہب شاذ کے بارے میں یہ ہے کہ شاذ ایسی روایت ہے جس کی صرف ایک سند ہو اور برابر ہے کہ یہ شذوذ (انفرادیت) ثقہ کی طرف سے ہو یا غیر ثقہ کی طرف سے ہاں جس میں ثقہ کی طرف سے شذوذ پایا جائے اس پہ توقف کیا جائے گا اور وہ قابل حجت نہ ہوگی جبکہ وہ روایت جس میں غیر ثقہ کی طرف سے شذوذ ہو اسے رد کردیا جائے گا" کی بات کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ امام شافعی کی پہلی بات صحیح ہے کہ اگر کوئی ثقہ ایسی روایت بیان کرے جو عام بیان کرنے والوں کے خلاف ہو تو وہ شاذ یعنی مردود ہے(۶۳)

اس مسئلہ کے تطبیقی مسائل میں سے وہ بات ہے جو ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے "ہدی الساری مقدمہ فتح الباری" میں لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دارقطنی نے کہا کہ سب نے حدیث

مالک کو زہری اور انس سے اس طرح روایت کیا ہے کہ "ہم عصر کی نماز پڑھتے پھر ہم میں سے کوئی قبا جانے والا جاکر آجاتا اور ابھی سورج بلند ہی ہوتا تھا" یہ وہ روایت ہے جس سے امام مالک پر تنقید ہوتی ہے کیونکہ انہوں نے اسے مرفوع کہا ہے اور اس میں انہوں نے کہا "قبا تک" جبکہ بہت سے دیگر لوگوں نے ان کے خلاف کہا ہے جیسے شعیب بن ابی حمزہ' صالح بن کیسان' عمرو بن الحارث' یونس بن یزید' معمر' لیث' ابن سعد' ابن ابی ذئب وغیرہ (۶۴)

امام نسائی نے بھی اس سلسلہ میں امام مالک کا تعاقب کیا ہے اور انہوں نے "الی قباء" کے الفاظ پر اعتراض کیا ہے جبکہ دیگر تمام لوگوں نے "الی العوالی" کہا ہے اس طرح کے معمولی وہم سے صحت حدیث پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ بلا شبہ انہوں نے ایک محفوظ روایت ہی کو بیان کیا ہے۔

ابن حجر کا یہ کہنا کہ اس طرح کے معمولی وہم سے صحت حدیث پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بھی دیگر محدثین کی طرح یہ سمجھتے ہیں کہ اگر کسی روایت میں کوئی ثقہ راوی دیگر راویوں سے مختلف ہو اور دیگر راویوں کو اس سے اختلاف ہو اور ایسی روایت سے معمولی وہم پیدا ہوتا ہو تو اس سے صحت روایت میں قدح لازم آئے گا اگر چہ ثقہ راوی امام مالک یا ان کے پائے کا کوئی اور کیوں نہ ہو۔

اسی طرح مطلق **ثمنیت** کی بات کرنے والوں پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ سونے اور چاندی میں دو طرح کے سود کے جاری ہونے پر علماء کا اجماع ہے اگر چہ یہ سونا چاندی اینٹوں کی شکل میں ہوں یا ڈھلے ہوئے ہوں اب ان میں سے کسی سے بھی اگر کرنسی سکے بنا لئے جائیں تو ان پر بھی ثمن ہونے کی بناء پر ربا کے جاری ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہوگا اشکال تو ان کے اینٹوں کی شکل میں ہونے کی صورت میں ہے۔ باوجودیکہ وہ اس صورت میں صرف اینٹیں ہیں ثمن نہیں ہیں۔ ہاں مگر اس اعتراض کا جواب یوں دیا جاسکتا ہے کہ سونے اور چاندی میں **ثمنیت** تو ہوتی ہے خواہ یہ اینٹوں کی شکل میں ہوں یا ڈھلے ہوئے ہوں **ثمنیت** برقرار رہتی ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ سونے کی اینٹیں ڈھلا کر سکے بنائے جانے سے قبل کرنسی کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ اور ان کی **ثمنیت** کا اندازہ ان کے وزن سے کیا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ روایت قابل غور ہے جسے پانچوں محدثین نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے سوید بن قیس راوی ہیں' کہتے ہیں کہ میں نے اور مخرمہ العبدی نے ہجر کے علاقہ سے کپڑا خریدا اور ہم اسے مکہ لائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہم سے ایک سراویل کا سودا کیا جو ہم نے آپ کے ہاتھ فروخت کی۔ ایک شخص نے وزن سے اجرت مقرر کی تو آپ نے اس سے فرمایا تولو اور جھکا کے دو۔

اسی طرح حدیث جابر میں ہے کہ انہوں نے ایک اونٹ حضور کے ہاتھ فروخت کیا تو آپ

نے فرمایا اے بلال اس کی قیمت ادا کردو چنانچہ انہوں نے انہیں چار دینار دیئے اور ایک قیراط بڑھا کر دیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاویٰ میں اس طرف اشارہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ دراہم و دنانیر سے لین دین کرتے تھے اور کبھی یہ گنتی کے حساب سے اور کبھی وزن کے حساب سے ہوتا تھا(۶۵)

ابن القیم نے اعلام الموقعین میں حدیث عبادہ بن صامت میں مذکورہ چھ اصناف پر سودی احکام کے جاری ہونے کی توجیہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

"...مسئلہ کا خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے اثمان کی ہم جنس تجارت سے منع کیا ہے کیونکہ اس سے ان کا مقصد اثمان فاسد ہوتا ہے اس طرح انہوں نے اقوات کا بھی ہم جنس تبادلہ منع کیا ہے کیونکہ اس سے ان کا مقصد اقوات فاسد ہوتا ہے اور یہی مفہوم تبراور عین کی بیع میں بھی ہے کیونکہ تبر (ڈھیلے) میں کوئی کاریگری نہیں جس کی وجہ سے ایسا کیا جائے وہ تو بمنزلہ دراہم کے ہے جن میں شارع کا مقصود یہ ہے کہ ان میں برتری کے ساتھ بیع و شراء نہ ہو چنانچہ آپ نے فرمایا اس کا تبراور اس کا عین برابر ہیں..."(۶۶)

ابن القیم کی توجیہ ثمنیت کی تعلیل کے سلسلہ میں بڑی نفیس ہے اور ہمارے حق میں ہے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ثمنیت کی تعلیل سب سے زیادہ صحیح اور صواب ہے جسے ہم اس بحث کے اختتام پر ذکر کررہے ہیں۔ اعلام الموقعین میں علامہ ابن القیم لکھتے ہیں کہ دراہم و دنانیر کے بارے میں ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان میں علت ان کا قابل وزن ہونا ہے اور یہی امام احمد کی دو میں سے ایک روایت کے اعتبار سے ان کا مذہب ہے اور یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا بھی ہے۔ جبکہ ایک دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ ان میں علت ثمنیت ہے اور یہ امام شافعی' امام مالک اور دوسری روایت کے مطابق امام احمد کا بھی مذہب ہے اور یہی صحیح بلکہ صواب ہے(۶۷)

ان علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ انہیں پتیل اور لوہے وغیرہ کی طرح موزونی اشیاء میں قابل سلم تسلیم کیا جائے اگر پتیل اور لوہا اموال ربویہ ہوتے تو ان کی خرید و فروخت نقد دراہم کے بدلے ادھار جائز نہ ہوتی چنانچہ جن چیزوں میں احکام ربا جاری ہوتے ہوں ان کے مقابل اگر جنس مختلف ہو تو ان میں برتری (تفاضل) جائز ہے نہ کہ نساء۔ اور علت اگر کسی موثر فرق کے بغیر ٹوٹ جائے تو یہ اس کے باطل ہونے کی دلیل ہے اسی طرح وزن سے تعلیل میں کوئی مناسبت نہیں یہ طرد محض ہے بخلاف تعلیل ثمنیت کے۔

چنانچہ دراہم و دنانیر قابل فروخت اثمان ہیں اور ثمن (نقدی) ہی وہ پیمانہ ہے جس سے اموال کی قدر Value کا تعین کیا جاتا ہے لہذا ثمن کو محدود اور مضبوط ہونا چاہئے نہ تو یہ بہت زیادہ بلند ہو نہ پست یعنی اس میں Fluctuation نہ ہو کیونکہ اگر کرنسی بھی سامان کی طرح

گھٹتی بڑھتی رہے گی تو پھر ہمارے پاس کوئی ایسی نقدی نہ ہوگی جس کے ذریعہ ہم خرید و فروخت کر سکیں سب چیزیں سامان ہی ٹھہریں گی جبکہ لوگوں کو کسی ایسی چیز کی ضرورت بہرحال ہے جو کرنسی کا کام کرے اور جس سے عام ضروریات کی چیزوں کا لین دین ممکن ہو اور یہ اسی صورت ممکن ہے جب کوئی چیز کرنسی قرار دی جائے اور اس کے ذریعہ اشیاء کے نرخ مقرر کئے جائیں اور یہ ضرورت صرف کرنسی ہی سے پوری ہو سکتی ہے جس سے اشیاء کی قیمتوں کا تعین کیا جا سکے اور جو ایک ہی حالت پر خود سے قائم رہے اور کسی دوسری چیز پر اس کے قیام کا انحصار نہ ہو۔ کیونکہ سامان تو کم و بیش ہوتا رہے گا جس سے لوگوں کے معاملات میں ایک ابتری و فساد پیدا ہوگا۔

پھر ابن القیم کہتے ہیں اگر دراہم میں رباء الفضل کو جائز قرار دے دیا جائے جیسے مثلاً" یوں کیا جائے کہ کھوٹے یا ٹوٹے پھوٹے سکے صحیح سلامت کے بدلے یا کم وزن والے زیادہ وزن والے دراہم کے بدلے تو یہ تجارت ہوگی اور اس میں ربا النسیئہ لازمی طور پر آجائے گا۔ اثمان (کرنسی) کے لین دین میں ان کے اصل (مادہ) کا اعتبار نہیں کیا جاتا بلکہ ان کو تو سامان کی خریداری میں ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے اور اگر خود انہی میں سامانی کیفیت پیدا ہو جائے تو پھر ان کے اصل (مادہ) کا اعتبار ہوگا جس سے لوگوں کے معاملات میں بگاڑ پیدا ہوگا اور یہی اس کا معقول، مفہوم و معنی ہے جس کا تعلق خاص کرنسی ہی سے ہے دیگر موزونی اشیاء سے نہیں۔

ساتویں بحث

سونے چاندی میں حکمت ربا :

سونے چاندی (نقدین) میں ربا کے جاری ہونے کی حکمت پر بات کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم مختصر لفظوں میں ربا کے لغوی اصطلاحی اور شرعی معنی و مفہوم کو بیان کردیں تاکہ اس کی روشنی میں پھر ہم سونے چاندی میں ربا کے جاری ہونے اور اس کی حرمت پر بات کرسکیں۔

ربا کے لغوی معنی:۔

ربا کے لغوی معنی زیادہ یا زیادتی کے ہیں کہا جاتا ہے کہ "ربا المال" یعنی مال بڑھ گیا یا زیادہ ہوگیا۔ اور جب ستو پر پانی ڈالا جائے اور وہ پھول کر زیادہ ہوجائے تو کہتے ہیں "ربا السویق" یعنی ستو بڑھ گیا اور "ربا الربیہ" کہا جاتا ہے اس وقت جب کوئی ٹیلے کے اوپر پہنچ جائے۔ قاموس میں ہے "ربا ربوا" ایسے ہی جیسے علو' یعنی بلندی اور ربا کے معانی ہیں زاد یعنی زیادہ ہوگیا' بڑھ گیا وار تبیتہ یعنی میں نے اسے بڑھا دیا اور رابیہ بلندی ہے اور گھوڑا جب اپنے دشمن کو دیکھ کر اکڑتا اور پھولتا ہے تو کہتے ہیں کہ "ربا الفرس"۔

عربی لغت کی کتاب مختار الصحاح میں لکھا ہے فراء (عربی لغت کے ماہر) نے اللہ تعالیٰ کا قول "فاخذھم اخذۃ رابیہ" کے بارے میں کہا ہے کہ رابیہ بمعنی زائدہ ہے جیسے آپ کوئی کم چیز دے کر زیادہ لیں تو عربی میں کہا جائے گا "اربیت" (یعنی میں نے کم دے کر زیادہ لیا) زمخشری نے اساس البلاغہ میں کہا ہے مال کے بڑھنے کو "ربا المال" کہا جاتا ہے اور "ارباہ اللہ" کے معنی ہوتے ہیں اللہ نے اسے بڑھا دیا اور "یربی الصدقات" کے معنی ہوتے ہیں اللہ صدقات کو بڑھا دیتا ہے (یعنی صدقات کے اجر) اور اربت الحنطہ کے معنی ہوتے ہیں کہ گندم کی بالیں بڑھ گئیں اور "اربی

فلان علی فلان فی اسباب" کے معنی ہوتے ہیں فلاں فلاں سے گالی دینے میں بڑھ گیا یا اس پر فوقیت لے گیا اور اربی علی الخمسین کے معنی ہوتے ہیں وہ پچاس پر بھی فوقیت لے گیا۔

اس تناظر میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ "فاذا انزلنا الماء اھتزت و ربت" کہ جب ہم اس (کھیتی) پر پانی برساتے ہیں تو وہ بڑھتی اور پھولتی ہے اور یہ ارشاد باری "فاحتمل السیل زبدا رابیا" بھی اس معنی میں ہے کہ سیلاب یا پانی کے ریلے نے جھاگ کو اوپر اٹھالیا اس مفہوم کے تحت حدیث شریف کے وہ الفاظ بھی آتے ہیں جسے امام مسلم نے روایت کیا ہے "فلا واللہ ماا خذنا من لقمتہ الاربا من تحتھا" اللہ کی قسم ہم نے اس طعام سے جو لقمہ بھی لیا اس کے نیچے سے اتنا ہی اور بڑھ کر اوپر گیا"

ربو کے اصطلاحی معنی

اس کے اصطلاحی معنی میں اختلاف ہے جو اس کے مفہوم کو متعین کرنے میں اختلاف کی وجہ سے ہے چنانچہ بعض (علماء) نے اس کی تعریف یوں بیان کی ہے کہ یہ بعض اشیاء میں تفاضل (زیادتی) اور بعض اشیاء جو اشیاء کے ساتھ مخصوص ہوں میں نساء ہے(۶۸) بعض نے کہا یہ کسی چیز کے عوض میں کسی دوسری چیز کے ایسے تبادلے کا نام ہے جو منصوص ہو اور جس کا جھکاؤ خرید فروخت کے وقت شرعی معیار کے مطابق معلوم نہ ہو' یا جب دو چیزوں میں سے ایک یا دونوں مدت معینہ (ادھار) پر لی دی جا رہی ہوں(۶۹)

بعض نے اس کی تعریف کرتے ہوئے ربا الفضل کی تعریف بیان کی ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ کسی مال کا عین ہے جس کی زیادہ مقدار کی ادائیگی کا وعدہ سودا کرتے وقت طے پا گیا ہو اور یہ جنس میں ناپ یا تول کے حساب سے ہوگا۔ جبکہ رباء النسیئہ کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ یہ مدت کے بدلے میں لیا جانے والا زیادہ مال رقم یا اضافہ ہے۔ اور یہ وہ اضافہ ہے جو ناپی یا تولی جانے والی اشیاء میں اجناس کے مختلف ہونے کی صورت میں یا غیر موزونی اور غیر مکیلی (نہ تولی اور نہ ناپی جانے والی) اشیاء میں ایک ہی جنس کے ادھار پر لین دین کی صورت میں لازم آتا ہے(۷۰)

جبکہ بعض (علماء) نے یہ بھی کہا ہے کہ ربا کا اطلاق بیوع باطلہ (ناجائز و ممنوع تجارتی سودوں) پر ہوتا ہے اس قول کی نسبت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف کی جاتی ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ جب سورہ بقرہ کے آخر میں آیات ربا نازل ہوئیں تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے شراب (خمر) کی تجارت کو حرام قرار دیا۔

اسی طرح اس قول کی نسبت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف کی جاتی ہے کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ "پھلوں کے پکنے سے قبل انہیں درختوں پر ناپختہ حالت میں بیچنا ربا ہے(۷۱)

مذکورہ بالا اقوال سے ہم' لغت میں ربا کے مفہوم اور شرعی اصطلاح میں اس کے مفہوم کے

باہمی تعلق کو سمجھ سکتے ہیں کہ یہ ایک مضبوط ارتباط ہے۔ دونوں میں معنیٰ "زیادتی" ہی کے اردگرد گھومتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ اگر بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ ربا کا اطلاق بیوع باطلہ پر ہوتا ہے تو بیع باطل میں ربا کے معنی موجود ہیں کیونکہ بیع باطل وہی ہے جو ناجائز اضافہ و زیادتی کے ساتھ کی جائے اس کی صورت یا تو یہ ہوتی ہے کہ دو اشیاء تجارت میں سے ایک چیز مال مباح نہیں ہوتی' جو دوسری مباح چیز کے مقابلہ میں اس کا بدل بنتی ہے کیونکہ یہ مال غیر مباح گویا ایسا مال ہے جس کی خرید و فروخت اس سے شرعاً کسی قسم کا استفادہ کرنے کی ممانعت کی بناء پر منع ہے یا پھر یہ اس شئی کے مقابلہ میں پوری پوری نہیں بلکہ زیادہ ہے اور اس زیادتی کا دوسری طرف کوئی عوض یا متبادل نہیں۔

بہرکیف ہم ربا کی مختلف تعریفات میں سے کسی کو افضلیت دینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور نہ ان میں سے کسی کو صحیح اور غلط قرار دینے کی پوزیشن میں۔ بس ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ اس بات پر تو اتفاق ہے کہ ربا نام ہے کسی ایسے اضافہ یا زائد مال کا جس کا عوض کوئی چیز نہ ہو۔ رہا معاملہ اہل علم کے مابین اختلاف کا کہ کن چیزوں میں دونوں طرح کے سود کا اطلاق ہوتا ہے' تو یہ اختلاف ربا کا مفہوم متعین کرنے میں ان کے اختلاف کی بناء پر ہے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے۔ چنانچہ بعض علماء نے بعض اموال پر ربا کے لاگو نہ ہونے کی جو بات کی ہے وہ اس بناء پر ہے کہ ان کے خیال میں بعض چیزوں کے مقابلہ میں جائز طور پر کمی بیشی سے تبادلہ جائز ہے جبکہ بعض علماء نے اپنی رائے اس بات پر قائم کی ہے کہ کمی بیشی کے ساتھ اشیاء کا تبادلہ ناجائز ہے۔

مختصر الفاظ میں ربا کے معنی ہوئے ایسا مال جو کسی جائز عوض کے بغیر ہو یا جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا کہ ربا اس لئے حرام ہے کہ اس سے ظلم و زیادتی لازم آتی ہے کیونکہ اس میں کوئی چیز بلا مقابل و بلا عوض زیادہ لے لی جاتی ہے(۷۲)

چنانچہ ہر ایسا (تجارتی) معاملہ جس میں براہ راست یا بالواسطہ اس قسم کی زیادتی موجود ہو وہ ربوی (سودی) معاملہ کہلائے گا۔ جو کہ حرام ہے۔ کیونکہ کسی سودے میں ایسا زیادہ مال لینا جس کا عوض نہ ہو یہ لوگوں کے اموال کو باطل طریقے سے غصب کرنے کے مترادف ہے اور لوگوں کے اموال کا باطل طریقے سے لینا اور کھانا معاشرتی زیادتی ہے جس سے دنیا میں فتنہ و فساد برپا ہوتا ہے۔ جبکہ ارشاد باری ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ(۷۳)

یعنی : اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی ایماندار ہو' اور اگر تم ایسا نہیں کرتے تو اللہ اور اس کے رسول سے لڑنے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ' ہاں اگر توبہ کر لو تو تمہارا اصل زر تمہارا ہی ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو نہ تم پر ظلم کیا جائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے فتاویٰ **المجموع** میں حرمت ربا کے سلسلہ میں اس طرح اشارہ ملتا ہے۔ "...سود لینے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ درہموں کے بدلے درہم مدت معینہ پر حاصل کرے۔ چنانچہ اسے مدت معینہ پوری ہو جانے پر اس رقم سے زیادہ رقم ادا کرنی پڑتی ہے جو اس نے لی حالانکہ اس نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا نہ تجارت کی نہ کاروبار کیا اور سود پر رقم دینے والا ظلم و زیادتی کا مرتکب ہوتا ہے کہ وہ دوسرے سے زائد مال لیکر کھاتا ہے اور اپنے مال سے کسی کو تجارت یا کاروبار کے ذریعہ کوئی فائدہ پہنچاتا بلکہ وہ اپنے مال ایسی جگہ لگاتا ہے جہاں اسے تو بیٹھے بٹھائے فائدہ ہو اور لوگوں کو کوئی فائدہ نہ پہنچے' بس اگر دونوں کی غرض اس قسم کے لین دین میں اسی طرح کی ہو تو اب وہ کسی بھی طرح کے سودے سے یہ معاملہ کریں اس سے ظلم اور فساد ہی برآمد ہوگا(۴۷)

رہا یہ کہنا کہ حرمت ربا کا مقصد اس یقینی ظلم کا خاتمہ کرنا ہے جو سودی معاملات سے پیدا ہوتا ہے یہ درست ہے مگر حرمت ربا کی حکمت صرف اتنی سی نہیں بلکہ اس میں اور بھی انسانی مصالح کارفرما ہیں جن کی بناء پر ربا کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ ان کا اندازہ اس مزاج سے ہوتا ہے جو ایک سود خور اور سودی کاروبار کرنے والے کا بن چکا ہوتا ہے کہ اس کی طبیعت میں سختی' خرچ میں بخل' صدقات سے گریز' نیکی کے کاموں میں حصہ لینے سے بے اعتنائی جیسے عیوب نمایاں ہوتے ہیں اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ سود کے بارے میں نازل ہونے والی ہر آیت میں یا اس سے آگے پیچھے ایسے کلمات یا آیات ضرور ہوں گی جن میں انفاق' صدقہ' فقراء' مساکین سے نیک سلوک وغیرہ جیسے ترغیبی ارشادات پائے جاتے ہوں۔ دیکھئے سورۃ بقرہ میں سود سے متعلق آیات سے قبل چودہ آیتیں ایسی ہیں کہ ان سب میں صدقہ کرنے کی ترغیب اور انفاق فی سبیل اللہ پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور سونے چاندی میں سود کے احکام کے لاگو ہونے اور ان میں سود کے جاری ہونے سے متعلق جو حکمت ہے اس کی طرف علامہ ابن القیم نے اعلام الموقعین میں اس طرح اشارہ کیا ہے۔

دراہم و دنانیر قابل خرید و فروخت اشیاء کی قیمت متعین کرنے کے لئے نقدی (کرنسی) کی حیثیت رکھتے ہیں اور کرنسی ہی وہ معیار ہے جس سے اشیاء کی قیمتوں اور قدروں (values) کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اسے محدود اور مضبوط ہونا چاہئے جس میں کمی بیشی نہ ہو کیونکہ اگر نقدی (ثمن) بھی عام سامان کی طرح گھٹنے بڑھنے لگے تو پھر ہمارے پاس کوئی ایسا متبادل (ثمن) نہیں جس سے ہم قابل فروخت اشیاء کی قدروں کا تعین کر سکیں۔ اور ایسی کسی چیز (کرنسی) کا ہونا انسانی ضرورت ہے کہ جس سے اشیاء کی قیمتوں کو متعین کیا جاسکے کیونکہ بغیر کسی مقررہ نرخ کے اشیاء کا لین دین دشوار تر ہو جائے گا اور نرخ مقرر کرنے اور لین دین کرنے کے لئے کسی کرنسی کا ہونا انتہائی ضروری ہے اور وہ بھی کوئی ایسی چیز ہونی چاہئے جو قائم رہے (Stayable ہو) جبکہ سامان میں یہ خوبی نہیں اس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جو انسانی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا اور اس سے معاملات بہت

ابتر ہوسکتے ہیں پھر لین دین میں مقدار میں تعین میں بھی شدید اختلافات پیدا ہوں گے اور نقصان بہت زیادہ ہوگا۔ جبکہ اگر آپ سکوں کو سامان قرار دیں اور ان میں سامان قابل بیع و منافع والا معاملہ کریں تو اس سے یقینی نقصان ہوگا اور ظلم بڑھے گا اور اگر آپ کسی ایک چیز کو ثمن (کرنسی) قرار دیں جو کم زیادہ نہ ہو بلکہ اس سے اشیاء کی قیمتوں کا تعین کیا جائے اور اس کی قدر (Value) کا تعین اشیاء سے ہو تو اس سے لوگوں کو فائدہ ہوگا۔ پھر ابن القیم فرماتے ہیں 'کرنسی سے اس کی اصل (مادہ) مراد نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو ساماں تک پہنچنے یا حصول اشیاء کا قصد کیا جاتا ہے اور اگر یہ بذات خود سامان ٹھہریں اور ان سے ان کا اصل ہی مراد لیا جائے تو لوگوں کے معاملات خراب ہوں گے چنانچہ اسے کرنسی ہی قرار دینا اور اصل مادہ کو پیش نظر نہ رکھنا ہی صحیح تصور ہوگا اور اسے دیگر قابل وزن اشیاء کی طرح نہیں سمجھا جائے گا(۷۵)

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں تفسیر المنار کے حوالہ سے آیات ربا کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے وہ افادہ عامہ کے پیش نظر نقل کیا جاتا ہے۔

"..... اللہ کی نعمتوں میں سے ایک دراہم و دنانیر بھی ہیں۔ انہیں سے نظام دنیا قائم ہے۔ یہ اصل میں تو پتھر ہی ہیں کہ جن کا کوئی فائدہ نہیں مگر مخلوق کو ان کی شدید ضرورت ہے کیونکہ ہر انسان کو بہت سی اشیا کی ضرورت ہوتی ہے جیسے اس کی خوراک' اس کا لباس' اور اس کی دیگر ضروریات اور جن چیزوں کی اسے ضرورت ہے کبھی وہ انہیں حاصل کرنے کا شدید ضرورت مند ہے اور کبھی اس کے پاس ایسی اشیاء وافر ہوتی ہیں جن کی اسے زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔ جیسے **مثلاً**" کسی کے پاس زعفران ہو اور اسے سواری کے لئے اونٹ کی ضرورت ہو جبکہ اونٹ والے کو ممکن ہے اونٹ کی اتنی ضرورت نہ ہو اور اسے زعفران درکار ہو تو اب دونوں کے تبادلہ کے لئے کوئی صورت تبادلہ نکلنی چاہئے تاکہ وہ مقدار معلوم ہوسکے کہ جس کے عوض زعفران والا زعفران دیکر اونٹ کی سواری کرسکے اور اونٹ والا زعفران لے سکے کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ زعفران والے کے پاس جتنا زعفران ہے وہ سارے کا سارا اونٹ والے کو دے اور اونٹ والا سارے یا کچھ زعفران کے بدلے اسے اونٹ دے۔ اور پھر زعفران اور اونٹ میں کوئی مناسبت بھی نہیں کہ انہیں وزن یا ظاہری مقدار کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بدلا جاسکے اور اسی طرح اگر کسی کو کپڑے کے بدلے گھر اور جوتے کے بدلے غلام خریدنا ہے' یا آٹے کے بدلے گدھا درکار ہے تو ان چیزوں میں آپس میں کوئی مناسبت نہیں۔ اب اسے نہیں معلوم کہ اونٹ کے بدلے کتنا زعفران دینا ہوگا۔ تو اس طرح لین دین کے معاملات خاصے دشوار بلکہ ناممکن ہوں گے۔

چنانچہ اس طرح کی مختلف الاجناس اشیاء کے مابین کوئی ایسی چیز تو ہونی چاہئے کہ جو ثمن بن کر یہ کام کرے اور جس سے ان تمام چیزوں کی ٹھیک ٹھیک قدر (value) متعین کی جاسکے۔ کیونکہ جب ہر چیز کی قدر و منزلت اور مرتبہ و مقام متعین ہوگا جبھی یہ پتہ چلے گا کہ کون سی چیز کس کے مساوی

ہے اور کس کے نہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دراہم و دنانیر بنا دیئے جو تمام اموال کے مابین درمیانی راہ ہیں جن سے ان تمام کے معاملات طے پاتے ہیں اور یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اونٹ سو دینار کا ہے اور اتنی مقدار زعفران سو دینار کی ہے اب چونکہ وہ دونوں کسی ایک خاص مقدار سے ایک چیز کے برابر ہیں لہٰذا برابر ہیں اور یہ تبادلہ کرنسی کے ذریعہ اس لئے ممکن ہوا کہ اس میں کرنسی کے اصل (مادہ) کو مد نظر نہیں رکھا گیا بلکہ اسکی اس حیثیت کو سامنے رکھا گیا کہ وہ کرنسی ہے اور اگر اس کی اصل کو سامنے رکھا جاتا تو ممکن ہے کہ کسی کو اس (سونے یا چاندی یا جس دھات کے بھی دراہم ہوں) کی ضرورت نہ ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو معاملہ بننا پھر مشکل ہوتا کہ کتنا وزن (ان دراہم کا) کتنے دوسرے مال کے یا چیز کے مساوی ہوگا؟

پس اللہ نے یہ دراہم اس لئے بنا دیئے کہ لوگ ان کے ذریعہ لین دین کر سکیں اور یہ اموال کے مابین فیصلہ اور قدر مشترک کا کردار ادا کریں۔ ان میں مزید ایک حکمت یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ تمام اشیاء تک رسائی ممکن ہے کیونکہ یہ دونوں (دراہم و دنانیر) بذات خود قابل رغبت شئی بن چکے ہیں۔ جبکہ ان کے اصل سے کسی کو کوئی غرض نہیں ہوتی (کہ وہ کیا ہے اور کس قدر Value کی ہے) اور ان کا تعلق تمام اجناس سے یکساں نوعیت کا ہے گویا یہ تمام اشیاء کے مالک ہیں نہ کہ بعض کے جس طرح ایک کپڑے کا مالک کپڑے ہی کا مالک ہے اسے اگر کھانے کی ضرورت ہو تو وہ کسی طعام فروش کو ڈھونڈے گا مگر اس سے طعام حاصل نہ کر سکے گا کیونکہ ممکن ہے اسے اس کپڑے کی ضرورت نہ ہو جس کے عوض یہ اس سے کھانا لینا چاہتا ہے بلکہ ممکن ہے اسے سواری کی ضرورت ہو' اور اپنے طعام کے بدلے سواری کی تلاش میں ہو۔ چنانچہ ایک ایسی چیز کی ضرورت پڑی جو خود کچھ نہ ہو مگر سب کچھ (حاصل کر سکتی) ہو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے آئینہ کہ اس کا اپنا کوئی رنگ نہیں مگر ہر رنگ اور اس کے اوصاف اس میں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح کرنسی بھی ہے کہ بذات خود وہ کچھ نہیں مگر سب کچھ ہے کہ اس کے بدلے ہر چیز حاصل کی جا سکتی ہے چنانچہ یہ دوسری حکمت ہے۔

اسی طرح اس میں بے شمار حکمتیں ہیں جنہیں ذکر کرنے سے مضمون میں طوالت پیدا ہوگی۔ اب اگر ان میں کوئی ایسا عمل کرے جو اس کے حکم سے مطابقت نہیں رکھتا بلکہ اس حکم سے جو غرض مقصود ہے اس کے بھی خلاف ہے تو وہ اللہ کی نعمت کا انکار بلکہ کفران کر رہا ہے۔ اب جو انہیں مال قرار دے تو اس نے گویا ان میں موجود حکمت کو ضائع کر دیا اور وہ ایسا ہے جیسے کوئی کسی مسلم حاکم کو قید خانہ میں ڈال دے اور اس طرح اسے حکمرانی سے روک دے۔ کیونکہ انہیں مال کہنا اور مال کی طرح رکھنا ان کی حکمت کو ضائع کرنا ہے اور دراہم و دنانیر خاص طور سے کسی فرد کے لئے نہیں بنے کیونکہ ان کے بنانے میں انفرادی اغراض جو ان کے اصل مادہ میں ہیں وہ مقصود نہیں' کیونکہ اصل میں تو یہ پتھر ہیں انہیں کرنسی اس لئے بنایا گیا تاکہ یہ لوگوں کے ہاتھوں میں رہیں ان

کے ذریعہ لین دین ہو اس طرح یہ لوگوں کے مابین حاکم ہوں گے پھر امام صاحب فرماتے ہیں کہ جس کسی نے بھی دراہم و دنانیر کے ساتھ سودی معاملہ کیا تو اس نے کفران نعمت اور ارتکاب ظلم کیا۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے لئے نہیں دوسرے کے لئے بنائے گئے ہیں کہ ان کے اصل سے کوئی غرض وابستہ نہیں اور اگر ان کے اصل کے اعتبار سے ان کی تجارت کی جائے تو یہ تجارت ان کے بنائے جانے کی غرض و ضرورت کے خلاف اور حکمت کے خلاف ہوگی کیونکہ نقدی کا اس چیز کے لئے طلب کیا جانا جس کے لئے وہ بنی ہی نہیں ظلم ہے(۷۶)

اس کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سونے چاندی میں ربا کا جاری ہونا اس سے زیادہ ہے جو اس کے لزوم میں ہے اور ان میں ربا کا جاری ہونا گویا انہیں موقع ظلم ٹھہرانا اور لوگوں کے اموال کو باطل طریقے سے کھانا ہے اب چونکہ سونے چاندی کو دیگر سامان کی طرح خریدنے بیچنے میں لوگوں کے لئے پریشانی اور نقصان کا احتمال زیادہ ہے اور اس سے انہیں وہی نقصان ہوگا جو سامان کی قیمت بڑھ جانے سے ہوتا ہے یا کم ہوجانے سے ہوتا ہے۔ (مارکیٹ میں ڈیمانڈ اور سپلائی کے قاعدے کے تحت اور سامان کے ہونے یا ختم ہوجانے کے سبب)' اس طرح ان کی ثمنیت ختم ہوجائے گی اور لوگوں کو بہت نقصان اور بے چینی ہوگی اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ان کی جگہ جو بھی چیز (خواہ کرنسی نوٹ ہوں یا کرنسی سکے) لے گی اس میں بھی یہی امور پائے جائیں گے اور ان میں بھی اسی طرح ربا جاری ہوگا جس طرح سونے چاندی میں 'تو پھر ہر کرنسی (ثمن) محل ظلم و زیادتی ٹھہرے گی اور اس کے سبب لوگ بے چینی و پریشانی میں مبتلا ہوں گے کہ جب ثمن (کرنسی) کو سامان ہی کی طرح خریدا اور بیچا جائے گا تو یہ سب پیچیدگیاں پیدا ہوں گی جبکہ وہ (کرنسی) تو اشیاء کی قیمتوں کے تعین و تقرر کا ایک پیمانہ ہے نہ کہ سامان 'اس طرح سونے چاندی یا ان کے قائم مقام (کرنسی) میں حرمت ربا یہ تمام مفاسد ختم کر سکتی ہے اور یہی اس کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے۔

اب اس کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم علماء اصول کے بعض اقوال جو حکمت پر قیاس کے سلسلہ میں علت یا دلیل کے سلسلہ میں ہیں پیش کریں جبکہ یہ واضح ہو چکا کہ سونے چاندی میں ربا کے جاری ہونے کی حکمت کاغذی کرنسی نوٹوں میں بھی متحقق (پائی جاتی) ہے جیسا کہ سونے چاندی میں پائی جاتی ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ کرنسی نوٹوں کو ربا کے جاری ہونے کے لحاظ سے سونے چاندی پر قیاس کرنے کی کوئی اور علت (دلیل) بھی ہے جس سے یہ قیاس زیادہ قوی ہو سکے۔

علماء اصول کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ کوئی حکمت جو کسی ضابطے کے بغیر ہو اسے قیاس کے لئے علت قرار دینا جائز ہے یا نہیں؟ چنانچہ بعض نے تو محض مصلحت و حکمت کو علت ماننے کو صحیح کہا ہے اگرچہ یہ حکمت ظاہرہ ہو یا خفیہ' **منضبطہ** ہو یا مضطربہ' بعض نے یہ کہا ہے کہ حکمت کو مطلقاً علت نہیں مانا جا سکتا۔ جبکہ بعض کا خیال ہے کہ اس میں تفصیل ہے اگر حکمت ظاہرہ اور **منضبطہ** ہو تو اس سے دلیل پکڑنا صحیح ہے ورنہ نہیں۔ اور یہی اقرب الی الصواب قول ہے۔ کیونکہ تعلیل

احکام میں اصل مقصد منافع کا حصول یا مفاسد سے بچاؤ ہوتا ہے اور یہ کہ ان فوائد اور ان تک پہنچنے کے وسائل کے درمیان ارتباط کبھی پوشیدہ ہوتا ہے چنانچہ لوگ کسی غرض کے حصول کے لئے عمل اور اس کے صحیح (Valid) ہونے کے بارے میں مختلف الخیال ہوتے ہیں اگر حکمت یا مصلحت خفیہ یا مضطربہ ہوگی تو اس سے تعلیل حکم کی مخالفت ہوگی کہ اس میں علماء کے مابین اختلافات وسیع ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض تو کسی مسئلہ میں حکمت کی تحقیق کرنے کو کہتے ہیں اور اس کے مطابق حکم ثابت کرتے ہیں جبکہ بعض دوسرے اس کا انکار کرتے ہیں اور اس کے لئے حکم ثابت نہیں کرتے۔ اسے سمجھنے کے لئے ایک مثال سفر میں رخصت کی بیان کی جاتی ہے کہ جس پر مشقت کا گمان ہو سکتا ہے اور اسی طرح شریک کاروبار یا شریک جائیداد کے لئے حق شفعہ کی مثال ہے کیونکہ شراکت سے نقصان کا گمان ہو سکتا ہے اب نہ ہر سفر میں مشقت ہے اور نہ ہر شراکت میں نقصان۔ لہٰذا ان میں حکم کا تعلق حکمت سے نہیں کیونکہ ان کے مابین انضباط نہیں ہے ہاں ان دونوں میں تعلق یعنی سفر میں رخصت کا اور اشتراک میں شفعہ کا ہے۔ اگر حکمت ظاہرہ منضبطہ ہو جیسے نقدین یا ثمنیت میں نقدین کے قائم مقام' تو ان میں ربا کا جاری ہونا اس لئے ہے کہ یہ دونوں محل ظلم و عدوان ہیں۔ چنانچہ کوئی چیز ایسی نہیں جو ان دونوں سے تعلیل سے روکے کیونکہ ان میں ان کا ظہور اور انضباط ایک مناسب وصف کی طرح ہے جس سے ان پر حکم لگایا جاسکے اور حکمت کے ساتھ حکم کا اجراء ہو۔

الامدی نے اپنی کتاب "احکام الاحکام" میں قیاس میں اصل کی شرائط کے ضمن میں حکمت کے لئے جواز تعلیل میں علماء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے اور ان کے اقوال سے جس رائے کو پسند کیا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ "کسی ضابطہ کے بغیر پائی جانے والی حکمت سے تعلیل حکم کو اکثر علماء نے منع کیا ہے اور بہت کم علماء نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ کچھ نے حکمت ظاہرہ کو جو خود منضبطہ ہو اس حکمت سے الگ کیا ہے جو حکمت خفیہ مضطربہ ہو اور اس طرح پہلی قسم کی حکمت سے تعلیل کو جائز اور دوسری قسم سے منع کیا ہے اور یہی مذہب مختار یا رائج ہے۔ اور اگر حکمت ظاہرہ منضبطہ ہو مگر مضطربہ نہ ہو تو پھر صورت یہ ہوگی کہ ہم نے چونکہ یہ بات تسلیم کی ہے کہ حکم اگر کسی وصف ظاہر منضبط کے ساتھ ہو اور ایک ایسی حکمت پر مشتمل ہو جو خود غیر منضبطہ ہے تو اس سے تعلیل صحیح ہے اور اگر حکم کے وضع کرنے کا مقصد اگرچہ یہ نہ ہو بلکہ جس پر حکمت خفیہ مشتمل ہے وہ مقصود ہو تو اگر حکم اخذ کرنے یا تشریع حکم کا مقصد حکمت ہی ہو جو کہ ظہور و انضباط میں وصف کے مساوی ہے تو ایسی صورت میں اس سے تعلیل جائز ہے (۷۷)

ابن القیم نے اپنی کتاب "مفتاح دار السعادہ" میں ان لوگوں کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ایسی حکمتیں جن میں حصول منافع یا دفع مفاسد کی مصلحت ہو ان سے تعلیل منع ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے جبکہ قرآن و سنت ایسی مثالوں سے بھرپور ہیں جن میں ایسی مصلحتوں یا حکمتوں کے

پیش نظر تعلیل حکم ہوا ہے اور ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جہاں حکمتوں ہی کی بناء پر احکام بنانے اور انہیں علت کے طور پر پیش کرنے کا ذکر ہے اگر اس طرح کی مثالیں قرآن و سنت میں کوئی سو دو سو ہوتیں تو ہم ضرور ان کا تذکرہ کرتے مگر وہاں تو مختلف طرز کی ہزار سے زائد مثالیں موجود ہیں جن میں کبھی تو لام تعلیل صراحت کے ساتھ مذکور ہوتا ہے اور کبھی مفعول لہ مذکور ہوتا ہے۔ کبھی لفظ "کی" استعمال ہوتا کبھی "ف" اور "ان" مذکور ہوتا ہے اور کبھی "لعل" لایا جاتا ہے (جس میں رجاء و امید کے معنی جو مخلوق سے اضافت والے ہوتے ہیں نہ ہوں) کبھی اصل سبب کو صاف صاف علت کے طور پر بیان کر دیا جاتا ہے اور کبھی احکام کے مناسب اوصاف بیان کر دیئے جاتے ہیں پھر شیخ فرماتے ہیں قرآن اول سے آخر تک حکم خلق و امر سے بھرا ہوا ہے اور خلق و امر کی مصلحتوں اور منفعتوں کے ذکر اور ان سے متعلق آیات سے پر ہے اور جو کوئی قرآن کا معمولی فہم بھی رکھتا ہو وہ اس کا انکار نہیں کر سکتا (۷۸)

استاذ بدران ابو العینین نے اپنی کتاب اصول الفقہ میں حکمت سے تعلیل حکم پر گفتگو کرتے ہوئے علماء کا اختلاف ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ایک محقق اگر تمام نصوص شرعیہ کا بنظر غائر مطالعہ کرے تو اسے معلوم ہوگا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اور اقوال صحابہ میں حکمت سے تعلیل حکم کی بے شمار نصوص ملیں گی اور ایسے احکام جن میں صراحتاً" نص نہ ہو ان میں حکمت سے تعلیل حکم کا جواز بھی معلوم ہوگا۔ اس کی ایک مثال مال فی کی تقسیم کا حکم ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر و الانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون۔ انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء فی الخمر و المیسر ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلاۃ فھل انتم منتھون"

ترجمہ (یہ شراب اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر سب ناپاک ہیں شیطان کی کارستانیاں ہیں سو بچو ان سے تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ یہی تو چاہتا ہے شیطان کہ تمہارے درمیان بغض اور عداوت ڈال دے شراب اور جوئے کے ذریعہ اور روک دے تمہیں یاد الہی سے ' اور نماز سے تو کیا تم باز آنے والے ہو)

اس قرآنی شہ پارہ میں غور فرمایئے اللہ تعالیٰ نے تحریم خمر کی علت اور اس کے ساتھ مذکورہ دیگر اشیاء کی حرمت کا سبب ان مفاسد کو قرار دیا ہے جو شراب پینے سے دنیاوی و اخروی طور پر لاحق ہوتے ہیں۔ یہ حکمت سے تعلیل کا ایک ثبوت ہے۔ کیونکہ یہ وہ امور ہیں جو تحریم کی علت کا باعث ہیں خود علت تحریم نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ سیدہ زینب بنت جحش سے حضور کا نکاح بھی اس سلسلہ کی ایک مثال ہے جن سے زید بن حارثہ کا پہلے نکاح تھا۔ پھر انہوں نے انہیں طلاق دے دی تھی۔

باوجودیکہ حضرت زید حضور کے متبنی (لے پالک) تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی تعلیل سے کام لیا ہے ارشاد ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا"

یعنی (پھر جب پوری کر لی زید نے اسے طلاق دینے کی خواہش تو ہم نے اس کا نکاح آپ سے کر دیا تاکہ (اس عملی سنت کے بعد) ایمان والوں پر کوئی حرج نہ ہو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں جب وہ انہیں طلاق دینے کا ارادہ پورا کر لیں)۔

اس طرح دوسری جگہ ہے وَاِذَا قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ"

(اور جب تم سے لوٹ جانے کو کہا جائے تو لوٹ جاؤ۔ یہی تمہارے لئے پاکیزہ ترین بات ہے)

ایک اور جگہ ہے۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا ۔

(وصول کیجئے ان کے اموال سے صدقہ تاکہ آپ پاک کریں انہیں اور بابرکت فرمائیں انہیں اس ذریعہ سے)

اس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی حکمت سے تعلیل ثابت ہے۔ جیسے آپ کا یہ فرمان ہے :

"كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ"

(میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا مگر اب تم زیارت قبور کیا کرو کہ یہ آخرت یاد دلاتی ہیں)

اور یہ ارشاد کہ "لَا تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا وَلَا عَلٰى خَالَتِهَا اِنَّكُمْ اِنْ فَعَلْتُمْ ذٰلِكَ قَطَعْتُمْ اَرْحَامَكُمْ"

(کوئی عورت اپنی پھوپھی یا خالہ کے شوہر سے اس کی موجودگی میں نہ نکاح کرے اگر ایسا کرو گے تو یہ قطع رحمی ہوگی)

پھر شیخ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے اقوال سے بھی حکمت سے تعلیل حکم ثابت ہے۔

جیسے ایک قول سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہے "اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آج کی خواتین کا حال پاتے تو انہیں مسجدوں میں جانے سے ضرور روک دیتے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا"

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت حذیفہؓ سے یہ فرمانا "کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ لوگ تمہاری پیروی کرتے ہوئے اہل ذمہ کی عورتوں کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر انہیں پسند کرنے لگیں۔ اور اس طرح مسلم خواتین کے لئے یہ ایک مصیبت ثابت ہو"۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سفر میں کامل نماز ادا کرنے کی علت بیان کرنے والا وہ

قول کہ جس میں آپ نے فرمایا "مگر میں لوگوں کا امام ہوں' دیہاتی اور بدوی لوگوں کو دیکھنا ہو گا ان کی رعایت کرنا ہو گی ورنہ وہ مجھے دو رکعت پڑھتے ہوئے دیکھ کر سمجھیں گے یوں ہی فرض ہوئی ہے۔"

اسی طرح آئمہ مجتہدین سے بھی حکمت سے تعلیل حکم کے اقوال منقول ہیں' ان میں سے ایک امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب امیر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ بنیادوں پر تعمیر کعبہ کا ارادہ کیا تو آپ نے اس سے یہ کہہ کر اسے اس کے ارادہ سے روک دیا کہ "ایسا مت کرو تاکہ لوگ آئندہ تعمیر کعبہ کو ایک رسم نہ بنا لیں"

اسی طرح کا ایک قول امام شافعی کے رسالہ میں ان سے حدیث سے متعلق منقول ہے کہ "حضور نے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی منگیتر کے لئے پیغام بھیجے اور یہ کہا کہ یہ حکم مطلق نہیں بلکہ مخصوص حالات میں ہے اور یہ اس صورت میں ہے جب اس خاتون نے پہلے نکاح کے پیغام کو قبول کر لیا ہو' ان کے الفاظ ہیں۔ اس صورت میں خاتون کو دوسرا پیغام بھیجنا منع ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس طرح وہ اپنے پہلے اقرار و رضامندی سے پھر جائے اور اگر ایسا ہو جائے اور وہ بھی اس سے نکاح نہ کرے جس کے لئے وہ اپنے اقرار سے پلٹی ہو تو یہ اس کے لئے باعث مصیبت ہو گا اور اس کے لئے بھی جس نے اسے پیغام دیا تھا اور اس نے قبول بھی کر لیا تھا(۸۰)

اس صورت میں یہ ممانعت اس علت کی بناء پر ہے جو' نہی کو مستلزم ہے اور یہ اس عمل کو فاسد کرنے والی ہے "جیسا کہ حنفی اور مالکی فقہاء بنی ہاشم کو زکوۃ دینے کو جائز سمجھتے اور اس پر دلیل (علت) یہ پیش کرتے ہیں کہ اہل بیت سے تنگی و تکلیف کو دور کرنا مقصود ہے اور ان کی مدد مطلوب ہے تاکہ انہیں سوال کی حاجت نہ رہے۔ اور یہ واضح ہے کہ ان پر سے تنگی و تکلیف کو دور کرنا آثار مترتبہ میں سے ایک اثر ہے اور یہ بھی تعلیل بالحکمت کی ایک مثال ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ تعلیل بالحکمت شریعت سے ثابت ہے اور اس کی مثالیں بے حد و بے شمار ہیں اور اس طرح ایک ایسے حکم کو جس میں نص نہ ہو ایک ایسے حکم کی طرف پھیر دینا جس میں نص ہو کا قول بھی ان دونوں کے مابین ایک جامع منضبط حکمت ظاہرہ ہی کی بناء پر ہے اور یہی محققین علماء اصول کا قول ہے۔ اور چونکہ نقدین (سونے چاندی) میں ربا کے جاری ہونے کی حکمت ظاہرہ اور منضبطہ ہے اور اسی طرح جو ثمنیت میں ان کے قائم مقام ہیں جیسے سکے اور کاغذی کرنسی نوٹ' ان میں بھی وہی حکمت ہے کہ جو چیز بھی ثمن (کرنسی) ہو گی وہ محل ظلم و عدوان ٹھہرے گی جبکہ اسے اس مقصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے جس کے لئے اسے وضع کیا (بنایا) گیا۔ اگرچہ وہ سونا چاندی ہو یا ان کے علاوہ کچھ اور' چنانچہ جو علت نقدین میں ربا کے جاری ہونے کے لئے قابل قبول ہے وہی ان کے علاوہ دیگر اشیائے میں بھی ربا کے جاری ہونے کے لئے علت بن سکتی ہے جبکہ وہ ثمن قرار پائیں جیسے کاغذی کرنسی نوٹ۔ اسی طرح ان پر دیگر احکام کو بھی قیاس کیا جائے گا۔

آٹھویں بحث

کاغذی کرنسی کی حقیقت میں قول مختار :

ہم نے کرنسی کی تعریف کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ہر وہ چیز کرنسی ہو سکتی ہے جسے لوگ ذریعہ تبادل کے طور پر اختیار کرلیں اور اسے اس حیثیت سے قبول عام حاصل ہو جائے اور یہ بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ کرنسی نوٹوں نے بہت سے ارتقائی مراحل طے کر کے موجودہ استقرائی کیفیت پائی ہے اور جب وہ مستقل بالذات کرنسی قرار پا چکے ہیں جس میں عام لین دین کے معاملات میں قوت نفوذ پائی جاتی ہے اور یہ کہ کرنسی نوٹوں پر جو یہ لکھا ہوتا ہے کہ "حامل ھذا کو عندالطلب ادائیگی کی جائے گی" یہ الفاظ محض الفاظ ہیں ان کی اب عملاً" کوئی حقیقت نہیں۔ بلکہ یہ کرنسی نوٹوں کے ارتقائی مراحل میں سے کسی مرحلے کی باقیات ہیں جو اس عبارت کی صورت میں رہ گئی ہیں اور یہ صرف جاری کرنے والوں کو عندالاجراء ان کی ذمہ داریوں کی ایک یاد دہانی ہے تاکہ وہ کرنسی نوٹ چھاپتے وقت حدود میں رہیں اور یہ سمجھیں کہ نوٹوں کا بلا حساب اجراء ان کی حیثیت (Value) کھو دیتا ہے۔ اور یہ کہ کرنسی نوٹوں کی قدر (Value) کو برقرار رکھنے اور انہیں قابل اعتبار ثروت اور قابل ذخیرہ مال کی حیثیت سے رائج کرنے کے لئے جن اقدامات کا کیا جانا ضروری ہے وہ سب کر لیئے جائیں تاکہ ان میں ہر طرح کی ضروریات پورا کرنے اور لین دین کے معاملات میں فعال کردار ادا کرنے کی صلاحیت برقرار رہے۔ اور یہ بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ اب قانون اجرائے کرنسی کے بموجب یہ ضروری نہیں کہ پوری کرنسی کے پیچھے حقیقی دولت و سرمایہ موجود ہو بلکہ اس کے کچھ حصہ کا کسی بھی قسم کی قابل قدر (Valueable) مادی اشیاء کے مقابل ہونا کافی ہے جبکہ باقی کرنسی جس کے پیچھے کوئی حقیقی مال نہ ہو گا وہ جاری کرنے والے اداروں کی طرف سے ایک طرح کے ضمانت نامے یا گارنٹی سرٹیفکٹس ہوں گے۔ اور کرنسی نوٹوں کے مقابل خزانہ میں سونے چاندی کا ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ ان کے مقابل اگر پراپرٹی یا مالی اوراق جیسے حصص اور سرٹیفکٹس وغیرہ ہوں تو بھی ٹھیک ہے اور یہ بھی ہم کہہ چکے ہیں کہ کرنسی خواہ کسی قسم کی ہو اس کا مالی معاملات میں

اور لین دین میں قابل قبول اور رواج پذیر ہو جانے کا راز اس پر اعتماد کرنے میں ہے کہ وہ واقعی ایک قوت خرید (Buying Power) ہے اور قابل بھروسہ ثروت ہے جسے Invest کیا جا سکتا ہے۔ اور اس کی قبولیت کا راز اس کے ذاتی طور پر (مواد کے اعتبار سے) قیمتی ہونے میں نہیں اور نہ اس میں ہے کہ قانونا" اس کا لین دین لازمی ہے اور اسے بطور کرنسی قانونا" لازم کیا گیا ہے۔

اور یہ بات بھی گزر چکی کہ کاغذی کرنسی نوٹ کی اپنی ذاتی کوئی قیمت نہیں ہوتی بلکہ وہ محض کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزے ہیں جن سے عمومی طور پر کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا اور اس طرح وہ قابل تجارت سامان بھی نہیں ہیں۔ بلکہ ان کی قیمت خارجی اعتبار سے ہے اور یہ بات بھی بیان ہو چکی کہ نقدین (سونے چاندی) میں ربا کے جاری ہونے کی حکمت ان کا محل ظلم و عدوان ہونا ہے جبکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی سامان قابل خرید و فروخت ہو' چونکہ صورتحال یہ ہے کہ یہ سامان نہیں بلکہ ایک پیمانہ ہیں جن کے ذریعہ لین دین کی اشیاء کی قیمتیں متعین کی جاتی ہیں۔ پس ان میں سے کسی ایک کا کسی دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ ہونا جبکہ اس زیادتی کا متبادل کچھ نہ ہو ظلم اور زیادتی ہے اور اسی طرح کسی بھی سودے کے وقت ان کا ایک دوسرے کے بدلے بغیر قبضہ کے سودا کرنا بھی درست نہیں بلکہ اس سے یہ ربا کا گمان اور ذریعہ بنتے ہیں اور ان دونوں کا سامان کے طور پر لین دین کرنے سے ان دونوں کو عملاً اس کام سے معطل کرنا ہے جس کے لئے انہیں (پیمانہ کے طور پر) مقرر کیا گیا اور جب یہ خود ہی سامان قابل بیع و شراء ٹھہریں گے اور ان میں زیادتی و نقصان کا احتمال ہو گا تو اس سے مسلمانوں کو اپنے سامان کی قیمتیں متعین کرنے کے سلسلہ میں دقت ہو گی اور اس سے معاشرہ میں ظلم و تعدی میں اضافہ ہو گا اور یہ بات بھی گزر چکی کہ صحیح تر قول کے مطابق نقدین میں علت ربا صرف ثمنیت (مطلقہ) ہے اور حکمت اگر ظاہرہ و منضبطہ ہو تو قیاس میں وہ قابل تعلیل ہے۔

اس طرح چونکہ کاغذی کرنسی نوٹ بذات خود اپنی ایک حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا عمومی لین دین میں قابل قبول ہونا اس ضمانت کی وجہ سے نہیں جو ان پر اس صورت میں لکھی ہوتی ہے کہ "بینک فلاں' حامل ہذا کو عندالطلب مبلغ (   ) ادا کرے گا" اور نہ ہی کرنسی نوٹوں کی پوری تعداد و مقدار کے پیچھے (بینک میں) کوئی اصل زر سونا چاندی موجود ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اس لئے کرنسی ہیں کہ حکومت یا قانون نے انہیں کرنسی قرار دیا ہے بلکہ ان کی قبولیت کا راز اس میں ہے کہ لوگوں نے انہیں قوت خرید (Buying Power) کے طور پر قبول کر لیا ہے خواہ کرنسی نوٹوں کو حاصل ہونے والے اس اعتماد کے اسباب کچھ بھی ہوں مگر چونکہ کرنسی نوٹوں میں کرنسی ہونے کی وجہ سے سونے چاندی والی خوبیاں (یعنی ثمنیت) پائی جاتی ہیں اور انہی کے ذریعہ اشیاء کی قیمتوں کا تعین کیا جاتا ہے لہٰذا لوگ ان کے مالی معاملات میں لین دین اور Investment کے معاملات سے مطمئن ہیں۔

کرنسی نوٹوں کو سامان خرید و فروخت قرار دینے میں وہی قباحتیں ہیں جو سونے چاندی کو سامان خرید و فروخت قرار دینے میں ' کہ ان سے ظلم و زیادتی بڑھے گی اور چونکہ نقدین میں ربا کے جاری ہونے کی علت محض ثمنیت ہے اور چونکہ گزشتہ اوراق میں ہم پر یہ واضح ہوچکا ہے کہ کرنسی نوٹوں کو محض اسناد (کرنسی سرٹیفکیٹس) قرار دینے والی بات صحیح نہیں اور نہ ہی انہیں سامان تصور کرنا صحیح ہے اور نہ ہی انہیں سونے چاندی سے تعلق رکھنے والی چیز سمجھا جاسکتا ہے یا یہ کہ سکوں کا معاملہ الگ اور ان کا حکم خاص ہے جو کہ کاغذی نوٹوں کے لئے بھی ثابت کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ان تمام وجوہات کی بناء پر میں سمجھتا ہوں کہ کرنسی نوٹ ایک ثمن (نقدی) ہیں جو بذات خود اپنی ایک قدر (value) کے ساتھ قائم ہیں اور ربا کی دونوں اقسام کے جاری ہونے کے سلسلہ میں وہ سونے چاندی کے تابع ہیں اور ان کو نقدین پر ہی قیاس کیا جائے گا اور انہیں ربا کے احکام کے ضمن میں ثمنیت کے اعتبار سے دیکھا جائے گا اور تقریبا" اسی طرف استاذ محمد رشید رضا نے اپنی کتاب "یسر الاسلام و اصول التشریع" میں اشارہ کیا ہے حضرت عبادہ بن صامت والی حدیث کے حوالہ سے چھ اصناف مذکورہ میں ربا کے احکام جاری ہونے کے سلسلہ میں گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں :

مذہب متوسط یہ ہے کہ حدیث میں مذکورہ چھ اجناس پہلے بھی اکثر لوگوں کے لئے معیار ثمن اور اصول اجناس تھیں۔ اور اگر سونے چاندی کے علاوہ کسی اور شئی میں گندم' جو' کھجور اور نمک کے علاوہ کسی اور جنس میں یہ علت پائی جائے تو اسے ان چھ اجناس پر قیاس کرنا صحیح ہے کہ یہ ان کی قائم مقام ہیں اور ان پر حکمت تشریع منطبق ہوتی ہے(۸۰) اور چونکہ کاغذی کرنسی نوٹ کی قیمت اس کی ذاتی نہیں جیسا کہ معدنی کرنسیوں **مثلاً** "سونے یا چاندی یا سکوں بلکہ نوٹوں کی قیمت ایک خارجی امر کی بناء پر ہے اور یہی ان کا خارجی حیثیت میں قابل قدر (Valueable) ہونا ان کی ثمنیت کا راز ہے اور چونکہ کرنسی نوٹوں کی خارجی طور پر قیمت ایک دوسرے سے مختلف ہے اور اس اختلاف کا اثر ان کو مختلف اجناس تصور کرنے پر پڑتا ہے کیونکہ وہ مختلف اداروں یا ایجنسیوں کے جاری کردہ ہیں۔ لہٰذا انہیں مختلف اجناس قرار دینے کے سلسلہ میں اپنی رائے کے اظہار سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان کرنسی نوٹوں کی ذاتی اعتبار کے علاوہ خارجی طور پر جو قیمت (Value) ہے اس پر ایک مستقل عنوان کے تحت بحث کی جائے اور انہیں متعدد اجناس ثابت کرنے کے لئے جو ثبوت میرے پاس ہیں انہیں پیش کیا جائے۔

کاغذی نوٹوں کی قیمت

کاغذی نوٹوں کی تاریخی زندگی کے بیان میں ہم یہ بیان کر آئے ہیں کہ نوٹوں پر حامل کو عندالطلب ادائیگی اصل (معدن) کا جو وعدہ درج ہوتا ہے یہ کبھی کسی زمانہ میں ایک حقیقت تھی اور ۱۹۳۱ء میں انگلینڈ نے اس وعدہ کی حیثیت کو باطل قرار دے دیا اور دیگر بڑی بڑی حکومتوں نے اس کی پیروی میں بڑی تیزی دکھائی چنانچہ یہ وعدہ الفاظ کا ایک ایسا مجموعہ رہ گیا جس کا معانی سے کوئی تعلق نہ ہو اور اس وعدہ کے ختم کیے جانے کے باوجود کرنسی نوٹوں کی تین بڑی خصوصیات نقد میں سے کوئی ایک خصوصیت بھی کم نہیں ہوئی یعنی کرنسی نوٹوں کی قیمت (Value) میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اگرچہ ان کے مقابل معدن کی مقدار میں کمی آئی ہو جو کہ اس کی ایک سند تھی اور دیگر سامان اور خدمات (Services) کے مقابلے میں ابھی بھی کرنسی نوٹوں ہی کو زیادہ محفوظ وسیلہ تبادل خیال کیا جاتا ہے کہ جن کے بدلے ہر قسم کا سامان اور ہر طرح کی خدمات حاصل کی جاسکتی ہیں خواہ ان کا تعلق ثروات عینیہ سے ہو یا غیر عینیہ سے۔

کرنسی نوٹوں کی قدر Value کا ٹھہراؤ جس میں کوئی شک نہیں' باوجودیکہ ان کے مقابل نفس معدنیات جیسے سونا چاندی جمع نہیں' ہمیں اس بات پر مجبور کرتا ہے کہ ہم اس کے اسباب پر نظر ڈالیں' علم اقتصادیات کے ماہرین نے کرنسی نوٹوں کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لینے پر خصوصی توجہ دی ہے اور ان کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ کرنسی میں اگر اعتماد کرنے کے اسباب پورے پائے جائیں اور ملک پر کسی قسم کا اقتصادی بحران نہ آئے تو یہ نوٹ اپنی اصل حیثیت برقرار رکھتے ہیں اور ان کی قدر value میں کوئی کمی نہیں آتی اور یہ جو لوگ کرنسی نوٹوں کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ دیکھتے اور سنتے ہیں تو یہ دراصل نوٹوں کی قیمت کا اتار چڑھاؤ نہیں بلکہ یہ دراصل اس سامان کی کمی بیشی کا معاملہ ہے جس سے یہ کرنسی وابستہ ہے کہ مارکیٹ میں اس کی طلب و رسد کے اعتبار سے جو صورتحال پیدا ہوتی ہے وہ ان نوٹوں پر اثر انداز ہوتی ہے مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ دنیا میں نوٹوں کی قیمت ہمیشہ یکساں رہتی ہے اور وہ Fixed ہے بلکہ ہر کرنسی کی اپنی ایک قدر Value ہے جو

اس شئی سے منسلک ہے جس کی وجہ سے یہ کرنسی قائم ہے۔
اس استدراک سے ہمیں یہ کہنے کی اجازت مل گئی کہ علم اقتصادیات کے ماہرین نے بھی کرنسی نوٹوں کی قیمت پر تحقیق کی ہے اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اس کا تعلق بہت سے عوامل سے ہے اور یہ عوامل قوت و ضعف میں ان ممالک کے سیاسی اقتصادی' معاشرتی اور فکری حالات کے اختلاف سے وابستہ ہیں اور انہی مختلف قسم کے حالات کی بناء پر کرنسی کی Value کم زیادہ ہوتی ہے چنانچہ کرنسی نوٹوں میں بعض کرنسیاں "مشکل کرنسیاں" کہلاتی ہیں اور بعض آسان کرنسیاں' علم اقتصادیات کے ماہرین نے اس قیمت value کے تعین میں تحقیق کی ہے چنانچہ استاذ **وهيب مسيحه** نے اپنی کتاب "**قصته النقود**" میں کاغذی کرنسی کی خارجی قیمت کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے :

اگر قارئین ان جرائد میں سے کسی جریدہ کا مطالعہ کریں جو روزانہ قاہرہ کی گولڈ مارکیٹ کے سونے کے نرخ شائع کرتے ہیں تو اسے نرخوں کے کالم میں اوپر یہ الفاظ لکھے ہوئے نظر آئیں گے بادشاہ کی تصویر والا پونڈ ۳۹۲ قرش۔ اور ملکہ کی تصویر والا پاؤنڈ ۳۸۵ قرش' اس کا مطلب یہ ہوا کہ بادشاہ کو تخت سے معزول کرنے والے اس سونے والے پاؤنڈ کی قیمت کا جب تعین کیا گیا جو ایک طویل عرصہ تک لوگوں کے مابین ایک سکے کے طور پر رائج تھا تو وہ اتنی ہی تھی کم نہ ہوئی تھی کیونکہ سونے والا پاؤنڈ اپنی ایک ذاتی حقیقی قیمت رکھتا تھا جو اس کی اس اصل معدن (سونے) کی تھی' جس سے اسے ڈھال کر بنایا گیا تھا۔ اب آپ کو یہ جان کر شدید حیرت ہوگی کہ سونے کے پاؤنڈ والے اس ٹکڑے کی قیمت کس قدر آج کل زیادہ ہوئی ہے اور قیمت کی یہ زیادتی ایک بڑی حد تک اس کیفیت کو ظاہر کرتی ہے جو کرنسی کی قوت خرید میں واقع ہوئی' جو ہم کاغذی پاؤنڈ کی صورت میں دیکھ رہے ہیں باوجودیکہ کاغذی نوٹ کی اپنی خود کوئی قیمت نہیں کیونکہ وہ تو محض کاغذ کا ایک پرزہ ہے جو شاید کسی قیمت کا نہ ہو' مگر اس کی Value اس سونے والے بادشاہ کی تصویر والے پاؤنڈ سے ۳۹۲ فی صد زیادہ ہے۔ چنانچہ اس قیمت میں ٹھہراؤ اور اس پر اس کی ساکھ کا قائم رہنا اور اتنی قوت خرید کا مالک ہونا اس کی ذاتی قیمت کی بناء پر نہیں کہ جس پر بھروسہ کیا جائے اور دیگر سامان تجارت سے اسے ممتاز مانا جائے بلکہ یہ ساکھ اور قیمت اس کی اس قانونی حیثیت کی بناء پر ہے جس نے اسے کرنسی بنایا اور دیگر اجناس میں اس کا ایک خاص کردار (Role) متعین کیا۔ جسے لوگ ایک وسیلہ تبادل کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور قیمتوں کے تعین میں اسے ایک معیار اور پیمانہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ پھر اس کی اس Value کا تعلق احترام قانون کے اس معاملہ سے ہے جس کے لوگ تابع ہیں اور جس کے مطابق وہ عمل کرنے کے پابند ہیں اور جس کی بناء پر انہوں نے پاؤنڈ کو بطور کرنسی قبول کرتے ہوئے قبول عام بخشا ہے اور اسے قوت خرید تسلیم کیا ہے۔ اور اب وہ ان تمام معاملات کے لین دین میں اس کاغذی پونڈ پر ویسا ہی اعتماد کرتے ہیں جیسا کہ اس سونے کے بنے

ہوئے پاؤنڈ پر کرتے تھے۔ اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ کوئی قانون ایسا جاری کیا جاتا ہے جو اس کاغذی پاؤنڈ کی قیمت (Value) کو ختم کردے یا اس کی پاؤنڈ کی حیثیت ختم کردے یا اس کے بدلے چمڑے کے یا اسبسٹوس (Asbestos) کے یا کاغذ کے سرخ رنگ کے پاؤنڈ جاری کردے تو اس کاغذی پرزے کی حیثیت جسے ہم سب کچھ سمجھتے ہیں گر کر صفر رہ جائے گی اور یہ ایک بلا روح کے مردہ جسم بن جائے گا جس میں نہ کوئی بھلائی ہوگی نہ کوئی فائدہ۔

چنانچہ کاغذی پاؤنڈ کی قیمت Value اور اس کی قوت خرید دراصل قانون کی عملداری اور عرف سے متعلق ہے جب بھی قانون منہ موڑلے اور کسی بھی کرنسی کے ساتھ ایسا ہو کہ قانون کی پشت پناہی حاصل نہ رہے یا اس کرنسی کی باعتبار کرنسی حیثیت عرفی ختم ہوجائے تو خود بخود وہ کرنسی اور اس کی ساری قدر و قیمت ختم ہو کر رہ جائے گی اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جن لوگوں کے پاس ابھی تک کاغذی (جرمن) مارک یا کاغذی کراؤن محفوظ ہیں جو کسی زمانہ میں کاروباری دنیا میں عروج پر تھے اور پورے جرمنی اور نمسا میں انہی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا پہلی جنگ عظیم کے بعد غیر ملکی کرنسی کے کاروبار میں اس کی اس قدر ڈیمانڈ تھی کہ لوگ ان دنوں انہی کی تلاش میں رہتے تھے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس صورتحال نے انہیں کس قدر مالی نقصان و خسارہ سے دوچار کیا(۸۱)

پھر انہوں نے (مضمون نگار مراد ہیں) کاغذی کرنسی کی قیمت و ساکھ کے برقرار رکھنے والے خارجی عوامل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کرنسی کی ساکھ گرنے کا ایک سبب اس کے اجراء میں عدم توازن یا حد سے زائد اجراء بھی ہے اور اقتصادی ابتری کا کرنسی کی ساکھ بڑھنے میں خاصا عمل دخل ہے حکومت اپنی رعایا کے مصالح سے زیادہ باخبر ہوتی ہے اور اسکی ذمہ داری کرنسی کی ساکھ کو قائم رکھنا بھی ہے تاکہ یہ کسی اقتصادی بحران کا شکار نہ ہونے پائے' اس کنٹرول کی ایک بہترین مثال دوسری جنگ عظیم کے دوران امریکہ اور برطانیہ کی حکومتوں کا کردار ہے جنہوں نے اپنی اپنی کرنسی کی ساکھ کو برقرار رکھنے کے لئے اور اشیاء کی قیمتوں میں مناسب توازن قائم رکھنے کے انتظامات کیئے۔

چنانچہ اس پر گفتگو کرتے ہوئے مقالہ نگار کہتے ہیں : دونوں حکومتوں نے ضروریات زندگی پر خرچ ہونے والی کرنسی کا اندازہ لگا کر کرنسی بنانے اور اسے جاری کرنے کے نظام پر توجہ دی اور اس طرح کا نظام قائم کیا کہ وہ سامان تجارت کا صحیح متبادل بن سکے دوسری طرف ملکی پیداوار پر بھی کنٹرول رکھا گیا تاکہ وہ ضرورت کے مطابق ہی رہے۔ پیداواری یونٹس سے اتنی ہی پیداوار لی گئی جو کم از کم درجہ کی تھی تاکہ زیادہ توجہ اسلحہ سازی پر مرکوز رہے۔ پیداواری صلاحیتوں کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے یہ پالیسی اپنائی گئی کہ مصنوعات پر بھاری ٹیکس لگائے گئے تاکہ لوگوں کی جیبوں سے پیسہ نکالا جائے اور اشیاء کی ڈیمانڈ بھی بڑھنے نہ پائے۔ دونوں حکومتوں نے چونکہ قرضوں پہ خاصی رقم لگا رکھی تھی جس سے بھاری آمدن ہورہی تھی پیداواری یونٹس کو فائدہ ہورہا تھا اور وہ اس

قابل ہو رہے تھے کہ زیادہ سے زیادہ جنگی اور سول سامان تیار کریں۔ جبکہ دوسری طرف مارکیٹ میں بھاری ٹیکسوں سے ایسا نظام قائم کردیا گیا تھا کہ جس قدر زیادہ سرمایہ خریدار سے کھینچ سکتے ہوں کھینچ لیں(۸۲)

پھر مقالہ نگار نے بعض کرنسیوں کے مشکل (ہارڈ) اور بعض کے آسان (سافٹ) ہونے کا راز بیان کرتے ہوئے لکھا ہے :

مندرجہ بالا حقائق واضح ہو جانے کے بعد یہ سمجھنا انتہائی آسان ہے کہ بعض کرنسیاں مشکل اور بعض آسان کیوں کہلاتی ہیں۔ مشکل کرنسیاں وہ ہیں جو نادر ہوں' اور نادر کرنسی وہ ہے جس کی ساکھ زیادہ ہو' چونکہ اس کرنسی سے اقتصادی معاملات میں لین دین منسلک ہوتا ہے اور اس کرنسی کے پیچھے ایک بڑی پیداواری صلاحیت موجود ہوتی ہے اور اس کے پیچھے مضبوط اقتصادی نظام موجود ہوتا ہے اس لئے یہ مشکل کرنسی کہلاتی ہے جیسے آجکل امریکی کرنسی ہے کہ امریکن ڈالر اس وقت مضبوط اقتصادی پشت پناہی رکھتا ہے اور اس کے پیچھے ایسے کافی پیداواری عوامل موجود ہیں جو کرنسی کی ساکھ قائم رکھنے کے لئے ضروری ہوتے ہیں اور آسان کرنسی وہ ہے جو بہت زیادہ دستیاب ہو اور اس کی بہتات اسی لئے ہوتی ہے کہ یہ کمزور ہے اس کی طلب سے زیادہ رسد موجود رہتی ہے اس طرح بہت زیادہ پائی جانے والی کرنسیوں کو اس پیداواری صلاحیت سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی جو ان کے جاری کرنے والے ممالک کی ہے۔ بلکہ ان کی پیداواری صلاحیت کی کمی اس ملک کی ضروریات کو بھی پورا نہیں کرتی جس کے نتیجہ میں بیرون ممالک سے سامان اس کرنسی کے بدلے لانا پڑتا ہے جس کو ہم مشکل کرنسی کہتے ہیں اور اس کرنسی کی ساکھ کی وجہ سے ہی دیگر کرنسیوں کی ساکھ متاثر ہوتی اور ان کی قیمتوں میں کمی بیشی ہوتی ہے چنانچہ اس کا نرخ زیادہ ہوتا ہے اور اس زیادتی کی وجہ سے ملکی کرنسی کی قوت خرید خارجی طور پر غیر ملکی مشکل کرنسیوں سے کم ہوتی ہے جبکہ اسے دیگر کرنسیوں کے مقابلہ میں رکھ کر دیکھا اور پرکھا جائے(۸۳)

پروفیسر ڈاکٹر محمد فہمی لھیطہ اور پروفیسر محمد حمزہ علیش نے اپنی کتاب ''النقود والاثمان'' کی چوتھی فصل میں ''قیاسی اعداد و شمار اور قیمتیں'' کے عنوان سے لکھا ہے :

ماہرین اس بات پر متفق ہیں کہ ہر قسم کے سامان اور خدمات (Services) کا لین دین کرنسی کے کسی ایک یونٹ سے ہونا چاہئے یہاں تک کہ اگر یہ کہا جائے کہ کرنسی کی قیمت کم ہو گئی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ کرنسی کا وہ یونٹ زیادہ خریداری اور مزید خدمات کے حصول میں ان یونٹس کے مقابلہ میں جو مقابلتاً'' زیادہ طاقتور ہیں کمزور پڑ گیا ہے۔ اسی طرح جب کرنسی کی قیمتیں بڑھ جائیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ یونٹ اپنے مدمقابل سامان کی نسبت زیادہ مضبوط ہو رہا ہے۔ یعنی سامان اور اشیاء اور خدمات اس لئے زیادہ پیش کی جاتی ہیں تاکہ یہ کرنسی یونٹ حاصل کیا جاسکے جس کا مطلب یہ ہوا کہ کرنسی نوٹوں کی قوت خرید اس سامان اور ان خدمات کے مقابل گھٹتی بڑھتی ہے جو

اس کے مقابل اور متبادل کے طور پر لائی جاتی ہیں (۸۴)

میرا خیال ہے کہ ہمارے پاس اس بات کی حقیقت تسلیم کیئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ کسی بھی ملک کی اقتصادی صورتحال کرنسی کی ساکھ کو متاثر کرتی ہے اور اس ملک میں رائج کرنسی کی قیمت کے اتار چڑھاؤ میں اس کا بہت بڑا حصہ ہے۔ مختلف ممالک کے اقتصادی حالات جن سے مختلف ممالک دو چار ہوتے رہتے ہیں اور ان کی بناء پر ان ممالک کی کرنسیوں کی ساکھ میں جو کمی بیشی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں وہ بذات خود اس کی ایک قوی دلیل ہے' چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی کاغذی کرنسی کی ساکھ (value) یا خارجی قیمت کا انحصار درج ذیل عوامل پر ہے۔

۱۔ ملکی اقتصادی صورتحال' جس پر کافی بحث ہو چکی۔

۲۔ کرنسی پر عمومی اعتماد اور ان کے کے قابل ذخیرہ اور مطلق قوت خرید ہونے کی ضمانت' کیونکہ اس میں شک نہیں کہ کرنسی پر اعتماد اس کے رائج رہنے اور اسے مالی معاملات میں قابل تبادلہ سمجھنے پر خاصا اثر انداز ہوتا ہے۔ ہماری اس بحث میں یہ بات گزری ہے کہ جرمن مارک پر جرمن قوم کے اعتماد کے ختم ہو جانے کے بعد باوجودیکہ وہ قانونی کرنسی تھی۔ کیا اثرات مرتب ہوئے کہ حکومت کو ایک متبادل کرنسی جاری کرنا پڑی جس کا لین دین قانونی طور پر لازمی نہیں قرار دیا گیا تھا مگر اس کے باوجود عوام نے اس کو اختیار کیا اور اس قانونی تحفظ کی حامل لازمی کرنسی کو ترک کر دیا۔ اور یہ بات اب محتاج بیان نہیں کہ کرنسی پر اعتماد کا انحصار ایک دو عوامل پر نہیں بلکہ ملک کے اقتصادی' سیاسی' فکری اور اجتماعی حالات کا بھی کرنسی پر اعتماد رہنے یا نہ رہنے کے سلسلہ میں بڑا عمل دخل ہے۔

۳۔ کرنسی کو قانونی شکل دینا اور اس پر عوام کا اعتماد قائم کرنے کے لئے اس کی مکمل پشت پناہی کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کرنسی جب سونے کے مرحلہ سے تجاوز کر گئی اور اس کے مقابل لازمی طور پر سونے کے ہونے کی شرط ختم ہو گئی اور ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی بھی ایسی چیز ہو جو اس کی جگہ لیکر کرنسی کی پشت پناہی کر سکے تو زیادہ تر ضمانتی کاغذات و مستندات نے اس کی جگہ لی۔ چنانچہ اس صورت میں کاغذی کرنسی کو قانونی شکل دینے اور اس میں مکمل قوت خرید و تبادل پیدا کرنے کے لئے اسے تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت پڑی۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ حکومت جب چاہے اس کرنسی کی وہ صلاحیت سلب کر لے تو یہ کرنسی اپنی اصل حالت یعنی محض کاغذی پرزوں کی صورت میں رہ جائے گی جو بے فائدہ و بے کار ہیں۔ جس طرح کہ کاغذی کراون کا حال ہوا جس کا کہ نمسا میں سکہ جما ہوا تھا اس طرح مصر میں سو اور ہزار والے مصری پونڈز کا حال ہوا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں میں یہ بھی کہتا جاؤں کہ کاغذی کرنسی نوٹوں کی قیمت کا انحصار

ایک طرف اس کی مکمل قانونی حیثیت پر بھی ہے۔ اور اس سلسلہ میں یہ کہنا کافی ہے کہ اسے جو قوت و نفوذ حاصل ہے وہ اسی قانونی ضمانت کی بناء پر ہے جو اس کی قیمت کا ضامن ہے اور ہم یہ تسلیم نہیں کرسکتے کہ اس کی ضمانت کا انحصار کسی متعین مادہ (جیسے سونا) پر ہے اور نہ اس بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ کرنسی نوٹ دراصل سونے سے متفرع ہیں۔ کیونکہ اب کسی بھی چیز کی قدر ماپنے کا پیمانہ سونا نہیں رہا بلکہ اگر سونے کو ان اشیاء کی فہرست سے نکال بھی دیا جائے جن سے اشیاء کی قدروں کا تعین ہوتا ہے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ کرنسی نوٹوں کا سونے سے قائم تعلق ختم ہوچکا ہے بلکہ اس کی جگہ اب انہیں جیسے اوراق اور (مالی) مستندات نے لے لی ہے۔ چنانچہ قانونی یا سرکاری سرپرستی اس بات کی ضامن ہے کہ وہ ان نوٹوں کو منسوخ یا بند کرنے کی صورت میں کوئی بھی چیز متبادل کے طور پر ادا کرے گی جس سے ادائیگی کا معاہدہ پورا ہوتا ہو اور کسی چیز کا متعین ہونا بھی ضروری نہیں۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ واضح ہوا کہ کرنسی نوٹوں کی قیمت پر اعتماد ان کے پس پشت کسی حقیقی جنس جیسے سونا چاندی وغیرہ کی موجودگی کی بناء پر نہیں' کیونکہ اگر سونے کا کوئی عمل دخل کرنسی نوٹوں کی قیمت اور ساکھ کے استقرار و سلامتی سے ہوتا تو امریکہ ۱۹۳۴ء میں اس نظام کو کبھی ترک نہ کرتا جبکہ اس کے پاس دنیا بھر میں پائے جانے والے سونے کی سب سے زیادہ مقدار موجود تھی اسی طرح فرانس نے بھی سونے سے منسلک اس نظام کو کبھی نہ چھوڑا ہوتا جبکہ اس کے پاس سونے کی ایک بڑی مقدار موجود تھی۔ اس سلسلہ میں پروفیسر **وھب مسیحہ** نے اپنی کتاب **قصتہ النقود** میں لکھا ہے کہ :

"... کرنسی کی ساکھ (Value) برقرار رکھنے کے لئے سونا جمع کرکے رکھنا اور اس پر بھروسہ ضروری نہیں اور نہ اس کی بڑی مقدار ذخیرہ کرنے کی کوشش کی ضرورت ہے بلکہ کرنسی کی ساکھ کا تعلق اول و آخر کسی ملک کی اندرونی اقتصادی صورتحال پر کنٹرول ہے اور پھر عالمی سطح پر اقتصادی تبدیلیوں کے اثرات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہے۔ حالات و واقعات اس بات پر شاہد ہیں کہ اقتصادی تبدیلیوں کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے سونا کبھی بھی بہترین مقابل نہیں رہا اور کسی بھی ملک کی اقتصادی صورتحال پر پڑنے والے بیرونی اثرات کا اس نے مقابلہ نہیں کیا اور نہ کبھی اس کی بڑی سے بڑی مقدار نے قومی سلامتی و ترقی کو لاحق خطرات کا مقابلہ کرنے میں کوئی کردار ادا کیا ہے۔ آج دنیا ایک اکائی ہے اور دنیا کے کسی بھی حصہ پر رونما ہونے والے واقعات کا اثر اور اس کے نقصانات سے ہر ملک متاثر ہوتا ہے..." (۸۵)

چنانچہ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کرنسی نوٹوں کی خارجی ساکھ (value) کا تعلق ان کے پشت پر سونے جیسی کسی حقیقی شئی کے ہونے سے نہیں بلکہ اس کا تعلق اس ملک کی اقتصادی حالت' وہاں کے لوگوں کا ان پر اعتماد کہ ان کے مقابل ان کی واقعی ادائیگی کی جائے گی اور ان کو حاصل قانونی تحفظ

ہے کہ جس کی بناء پر ان میں تمام مالی معاملات و معاہدات کے پورا کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔

جیسا کہ ہم تحقیقی طور پر ثابت کر چکے ہیں کہ نقدین میں علت ربا ثمنیت مطلقہ ہے اور یہ ثمنیت کبھی کرنسی میں ذاتی طور پر بھی پائی جا سکتی ہے جیسا کہ سونے چاندی اور پیتل وغیرہ معدنیات سے بنی ہوئی معدنی کرنسیوں میں' اور کبھی یہ خارجی طور پر پائی جاتی ہے جیسے کاغذی کرنسی نوٹوں میں اور جیسا کہ معدنی اجناس سے بننے والی کرنسیوں کی مختلف اقسام میں قیمتوں کا معمولی فرق ہوتا ہے کیونکہ ان کی ایک ذاتی قیمت بھی ہوتی ہے مگر کاغذی کرنسی نوٹوں کی اپنی کوئی قیمت نہیں بلکہ انہیں بیرونی سپورٹ اور طاقت ہی سے قیمت ملی ہے اور اس کا انحصار کسی ملک کے اندرونی اقتصادی حالات پر ہوتا ہے اور انہی سے اس کے اجراء' تحفظ اور ساکھ کو قائم رکھنے کے معاملات متعلق ہوتے ہیں۔

یہ کاغذی کرنسی جاری کرنے والے اداروں کے قوانین جن سے کرنسی کو تحفظ حاصل ہوتا ہے یا ان کی قدر متعین کی جاتی ہے یا ان کی قوت خرید میں کمی بیشی ہوتی ہے۔ یا ان کے چل چلاؤ اور اجراء و تقسیم کے معاملات وابستہ ہیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان مختلف قوانین کا اثر کرنسی نوٹوں کے کاروبار میں تیزی یا مندی پر پڑتا ہے جس سے ان پر اعتماد کرنے والوں کے اعتماد پر بھی اثر پڑتا ہے اور کاغذی نوٹوں اور معدنی کرنسی کا رابطہ سونے چاندی سے ان کو الگ کرنے کے بعد سے ٹوٹ چکا ہے لہٰذا ان کی قیمت کا تعین اب کسی معدن کے معینہ وزن سے نہیں کیا جاتا جیسا کہ پہلے ہوا کرتا تھا۔ بلکہ اب قیمت کا تعین کرنے کے لئے ان کے جاری کرنے والے ادارے کی ساکھ اور ان کو حاصل ضمانت کی کیفیت پر ہے اور اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو جیسا کہ کہا گیا ہے کہ سعودی ریال ۰٫۱۹۷ گرام سونے کے برابر ہے تو سونے سے ریال کے اس خیالی تعلق کا اندرونی طور پر کوئی اثر ہوتا۔ کیونکہ ریال کی حقیقی قیمت اب سونے کے مقابل اس کی کل قیمت کا صرف ۴۵ فی صد ہے اور سعودی کاغذی ریال کی طرح دیگر کاغذی کرنسیوں کا حال بھی ہے کہ وہ کتنی ہی مضبوط (Strong) کیوں نہ ہوں ان کی حقیقی قیمت اصل اور قانونی قیمت کے مقابلے میں ۵۹ فی صد سے زیادہ نہیں بلکہ بعض اوقات تو بعض کرنسیوں میں یہ بیس ۲۰ فی صد کے لگ بھگ ہے۔

اگر کاغذی کرنسیوں اور سونے کا تعلق "انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ" (I.M.F.) کے ذریعہ قائم رہتا تو اس کا بھی کسی ملک کے اندرونی تجارتی معاملات پر اثر نہ پڑتا اس کا ثبوت یہ ہے کہ تجارتی لین دین کی دنیا میں کاغذی کرنسی کی قیمت اس کی سونے سے منسوب قیمت کے مقابلہ میں کم ہوئی ہے اور اس کی کمی کا جاری کرنے والوں کی جانب سے کوئی عوض معاوضہ نہیں دیا گیا "انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ" (I.M.F.) کے ذریعہ اس رابطے و تعلق کے برقرار رہنے سے صرف یہ فائدہ ہے کہ ایک کرنسی کی دوسری کرنسی سے شرح تبادلہ کا تعین ہو جاتا ہے جیسے مثلاً" سعودی ریال کی ڈالر کے مقابلہ میں کیا

قیمت ہوگی یا آسٹریلین پاؤنڈ کے مقابلہ میں ریال کتنے کا ہوگا۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ چاندی کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی اور نہ ہی یہ دنیا میں کہیں مالی پشت پناہی کا کام دے رہی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ سونا دیگر معاون کے بغیر تنہا ہی کافی ہے جو کرنسی نوٹوں کے بعض جزء کا پشت پناہ ہے اور کرنسی نوٹوں کو سونے ہی سے متفرع اور اس کا جزو ماننا اب خلاف حقیقت ہے اور اس سے مسلمانوں کے مالی لین دین کے معاملات میں حرج ہوتا ہے اور تنگی و عسر کا پہلو نکلتا ہے۔ جب کرنسی نوٹوں کو جنس واحد مان لیا جائے گا تو ان کا ایک دوسرے کے عوض (بیع صرف) لین دین منع ہوگا تاکہ ان کے درمیان مساوات اور مثلیت پائی جائے اور ہم یہ بات قطعی طور پر جانتے ہیں کہ اسلام میں جو شرعی ضروریات کا تحفظ ہے اور دین میں جو آسانی اور یسر کا ایک پہلو نمایاں ہے وہ اس بات کی اجازت نہیں دے گا کہ انہیں ایک ہی جنس قرار دیکر ان کا آپس میں تبادلہ منع کردیا جائے۔ اسلام جس طرح شرعی ضروریات کے تحفظ کی رعایت کرتا ہے اسی طرح وہ یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس تحفظ میں حرج اور مشقت اور مسلمانوں پر تنگی کو بھی دور کیا جائے اور ضروریات تو مقاصد شرعیہ میں سے ایک ضروری مقصد ہے جس کا تحفظ بھی ضروری ہے اور حاجات ضروریہ کیا ہیں؟' وہی جن سے بعض قواعد عامہ کے استثناء کے ساتھ پانچ مصالح انسانی کو تحفظ فراہم کیا جاتا ہے اور وہ ہیں' دین' عقل' نفس' نسل اور مال۔

اگر ان ضروریات کو مستثنیٰ نہ کیا جاتا تو ضروریات کا عدم لازم آتا یا لوگ تنگی اور مشقت میں پڑ جاتے جس سے ان کی زندگی گزرنا دشوار ہو جاتی۔ یہ اس طرح ہے جس طرح مجبور کیئے جانے پر کوئی شخص زبان سے کفریہ کلمہ کہہ ڈالے جبکہ اس کا دل ایمان پر قائم اور مطمئن ہو۔ یا جس طرح کسی قریب الموت شخص کے لئے جان بچانے کی خاطر مردار کھانے کی اجازت ہے۔ اسی طرح کسی شخص کی جان بچانے کے لئے اسے اجازت ہے کہ شراب کے چند قطرے پلادیئے جائیں جبکہ اور کوئی چیز پینے کی نہ ہو' جس طرح کہ عرایا اور کچھ غرر اور جہالت' بوقت ضرورت حرج اور تنگی کے پیش نظر جائز ہے۔ ان تمام کے جواز میں شارع کے پیش نظر حرج کو ختم کرنے اور توسع پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

چنانچہ مندرجہ بالا وجوہ کی بناء پر میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ کاغذی کرنسی نوٹ مختلف جاری کرنے والے اداروں کی طرف سے جاری ہونے کی بناء پر جنس واحد نہیں بلکہ مختلف اجناس ہیں۔ مثال کے طور پر سعودی کرنسی نوٹ ایک جنس ہے۔ کویتی کرنسی نوٹ ایک الگ جنس' امریکی کرنسی نوٹ الگ جنس اور اسی طرح دیگر ممالک کے کرنسی نوٹ سب الگ الگ جنس کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا آپس میں خرید و فروخت کا شرعی حکم وہی ہے جو سونے چاندی کا ہے یعنی ایک جنس کا دوسری جنس کے بدلے لین دین' جبکہ یہ لین دین نقد و نقد اور دست و دستی ہو۔ جیسا کہ امام احمد اور امام مسلم نے عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "سونا سونے

کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے' گندم گندم کے بدلے' جو جو کے بدلے کھجور کھجور کے بدلے اور نمک نمک کے بدلے برابر برابر۔ ہاتھوں ہاتھ فروخت جس طرح (جس نسبت سے) چاہو کر سکتے ہو"۔

اور جیسا کہ سونا اور چاندی اپنی ذاتی قیمت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف دو جنسیں ہیں اس طرح کاغذی کرنسیاں بھی اپنی ذاتی قدر و قیمت کے اعتبار سے جو ان کے جاری کرنے والوں نے مقرر کی ہیں نیز قوت خرید کی کمی بیشی ان کی قوت و ضعف اور ان پر قائم اعتماد کا فرق' ان سب عوامل کی بناء پر وہ مختلف اجناس ہیں۔

اس رائے کے نتائج

حقیقت یہ ہے کہ اگر کاغذی کرنسی نوٹوں کو ان کے مختلف جاری کنندگان کی وجہ سے مختلف کرنسیاں قرار دیتے ہوئے مختلف اجناس تصور کیا جائے تو جو شرعی احکام مترتب ہوں گے ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں۔

(ا) کاغذی کرنسیوں میں بھی ربا کی دونوں قسمیں جاری ہوں گی جس طرح سونے اور چاندی اور دیگر معدنی کرنسیوں میں جاری ہوتی ہیں اور ان میں بھی وہی احکام جاری ہوں گے جو ثمنیت کی بناء پر سکوں میں جاری ہوتے ہیں محققین اور اہل علم نے انہیں اس طرح بیان کیا ہے۔

(ا) ان کی ایک دوسرے کے عوض خرید و فروخت جائز نہ ہوگی اور نہ ہی دیگر اجناس کے عوض جن میں کہ ثمنیت پائی جاتی ہو جیسے سونا یا چاندی یا سکے وغیرہ ان سب کے ساتھ ان کی ادھار خرید و فروخت جائز نہ ہوگی۔ مثال کے طور پر ایک کاغذی ریال کا ایک چاندی کے ریال کے بدلے یا بیس قرش کے عوض ادھار تبادلہ جائزہ نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک امریکی ڈالر کی پانچ سعودی ریالوں یا اس سے کم و بیش کے عوض ادھار بیع جائز نہ ہوگی اور پچاس ریال کی سونے کے پانچ پاؤنڈ (جنیہ) کے عوض بیع بھی جائز نہ ہوگی۔

(ب) اسی طرح ایک ہی جنس کے کرنسی نوٹوں کی آپس میں کمی بیشی کے ساتھ ادھار یا نقد خرید و فروخت بھی نہ ہو سکے گی۔ مثلاً" پندرہ سعودی (کاغذی) ریال کے بدلے سولہ (کاغذی) ریال کی خرید و فروخت۔

(ج) کرنسی نوٹوں کی آپس میں مختلف جنسوں کے عوض' خرید و فروخت مطلقاً" جائز ہوگی جبکہ ہاتھوں ہاتھ ہو۔ مثلاً" ایک چاندی سے بنا ہوا سعودی ریال دو کاغذی سعودی ریالوں یا ان سے کم و بیش کے عوض بیچنا جائز ہوگا اور سوری لیرہ یا لبنانی لیرا ایک سعودی ریال (خواہ چاندی والا ہو یا کاغذی) کے بدلے بیچنا جائز ہوگا اور ایک امریکی ڈالر پانچ سعودی ریالوں یا اس سے کم و بیش کے عوض بیچنا جائز ہوگا جبکہ ہاتھوں ہاتھ (نقداً") ہو۔

(۲) کرنسی نوٹوں پر زکوۃ بھی لاگو ہوگی جبکہ ان کی قیمت سونے یا چاندی میں سے کسی ایک کے نصاب کے برابر ہو جائے یا دوسری قیمتی اشیاء سے مل کر ان کا نصاب مکمل ہو جائے یا سامان تجارت کے ساتھ مل کر یہ نصاب کو پہنچ جائیں جبکہ یہ صاحب نصاب کی ملکیت میں ہوں۔

(۳) انہیں بیع سلم اور دیگر شراکتی کاروباری معاملات میں راس المال قرار دینا جائز ہوگا۔

اس تمام بحث کے اختتام پر میں مذکورہ بالا نتائج پر پہنچا ہوں اور انہی کو میں اس تحقیق کا تتمہ سمجھتا ہوں۔ اس بحث و تحقیق میں جو کچھ میں نے پیش کیا ہے اگر صواب و صحیح ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' میں اللہ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ میری ہمیشہ دستگیری فرمائے اور میری مدد و رہنمائی فرمائے اور مجھے صواب و اجتہاد کے اجر سے محروم نہ رکھے اور اگر جو کچھ میں نے پیش کیا ہے یہ غلط اور خطا ہے تو یہ میری اور شیطان کی جانب سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہیں۔ اور میں اللہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے میرے اجتہاد میں اجر دے اور قیامت کو میری خطاء کو معاف فرمائے' وہی میرا آسرا اور وہی بہترین مددگار و سرپرست ہے۔

وصلی اللہ علیٰ محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم۔

عبداللہ بن سلیمان المنیع
قاضی محکمہ تمییز مکہ مکرمہ

کرنسی نوٹوں کے بارے میں مفتی اعظم اردن

شیخ مصطفیٰ احمد الزرقا کی رائے

کویت کے فقہی انسائیکلوپیڈیا میں حوالہ کی بحث میں شیخ مصطفیٰ احمد الزرقا کے حوالہ سے جو رائے درج ہے وہ حسب ذیل ہے' گمان غالب ہے کہ یہ انہی کی پیش کردہ ہے وہ فرماتے ہیں :

"...ہم مذکورہ کرنسی نوٹوں کو وضعی کرنسیوں میں سے سمجھتے ہیں نہ کہ ایسی قابل تسلیم رسیدیں جن کے جاری کنندگان' بینکوں یا حکومتوں کے ذمہ ان کے بدلہ قیمت کی ادائیگی ہو۔ اگر چہ آخری وصف ہی اس کا اصل ہے کیونکہ موجودہ کرنسی جو لوگوں میں بینک نوٹ کے نام سے رائج ہے اس کو حلال قرار دینے کا تعلق اس فکر سے ہے کہ یہ دراصل ان کرنسیوں کے قائم مقام ہیں جو سونے اور چاندی کی تھیں اور اب لوگوں میں ان کا لین دین اس لئے فروغ پا گیا ہے کہ لوگ ان کی قابل بھروسہ حیثیت سے مانوس ہو چکے ہیں اور اب انہیں اس بات کا کبھی خیال نہیں آتا کہ یہ کاغذی نوٹ تو محض رسیدیں ہیں اس اصل کرنسی کی جو سونے چاندی کے شکل میں ہے۔ بلکہ لوگوں کی توجہ اب اس طرف بالکل نہیں یہ رسیدیں یا سندیں ہیں جو اصل کے قائم مقام کے طور پر رائج ہوگئی ہیں اور اب لوگوں کو ان نوٹوں کی اس اصل صفت سے کوئی تعلق نہیں رہا جو نوٹوں کے ابتدائی دور میں ان میں پائی جاتی تھی اور جس کے بارے میں لوگ یہ جانتے تھے کہ کاغذی نوٹوں کے پیچھے اصل زر (سونا) موجود ہے اور یہ کہ کرنسی نوٹ اس سونے کی رسیدیں ہیں جنہیں دکھا کر وہ اصل

سونا جب چاہیں حاصل کرسکتے ہیں۔
یہ تو ان نوٹوں کی اصل حقیقت ہے اور ان کے ساتھ لوگوں کے مانوس ہوجانے اور بازاروں میں ان کے عام چل چلاؤ اور لین دین کے معاملات میں عوام اور حکومت کے ان پر اعتماد نے لوگوں کو ایک اور بات محسوس کرادی وہ یہ کہ ان نوٹوں میں ایک اور خوبی ہے اور وہ ہے ان کے ہلکے ہونے اور آسانی سے ادھر ادھر لے جانے کی سہولت چنانچہ لوگ اس اصل (یعنی نوٹوں کی سندی حیثیت) کو بھول گئے اور نوٹوں کو اب لوگوں کے ہاں وہی مقام و اعتبار حاصل ہوگیا ہے جو معدنی سکوں کو حاصل تھا۔ چنانچہ اب انہیں سونے چاندی کے علاوہ رائج سکوں ہی کی طرح سمجھا جانا ضروری ہے کیونکہ یہ ایسے سکے ہیں جنہیں عرف' وضع اور اصطلاح کے اعتبار سے کرنسی مانا گیا ہے۔ اگر چہ سونا اور چاندی کے سکے ہوں جیسے دینار' یا لیرہ یا سونے کے پاؤنڈ (جنیہ) یا مختلف ممالک میں مختلف ناموں کے جو بھی سکے سونے کے ڈھلے ہوئے رائج ہوں۔ یہ تو ان سکوں کا شرعی معاملہ ہے جو سونے چاندی کے علاوہ مختلف معدنیات سے بنائے گئے ہوں اور ہماری رائے میں کاغذی کرنسی بینک نوٹ کو بھی وہی حیثیت حاصل ہونی چاہئے اور ان کے لین دین کے معاملہ میں بھی تبدیل جنس ہی پیش نظر رہے گی جیسے کویت کا کاغذی دینار یا سعودی لیرہ' یا لبنانی لیرہ یا کسی دوسری جنس مثلاً" مصری یا آسٹریلین پاؤنڈ یا امریکی ڈالر وغیرہ تو ان میں آپس میں تبادلہ بالکل اس طرح ہوگا جیسا کہ سونے اور چاندی اور رائج الوقت معدنی سکوں کا ہے۔
اس لین دین میں فقہی قاعدہ یہ ہے کہ اختلاف جنس سے مقدار عوض میں زیادتی (بڑھوتری) جائز ہے ہاں مگر ایک ہی مجلس میں دونوں چیزوں پر خریدار اور بیچنے والے کا قبضہ ہوجانا لازمی ہے تاکہ حدیث نبوی میں جو سود کا حکم آیا ہے اس کا اطلاق اس لین دین پر نہ ہونے پائے۔
اس طرح سے بینکوں میں جو دو مختلف کرنسیوں کا لین دین بذریعہ کاغذی کارروائی ہوتا ہے وہ بھی ادھار کے بدلہ ادھار نہ رہے گا بلکہ نقد و نقدی ہی متصور ہوگا کیونکہ اس میں دو جنسیں ایک دوسرے سے بدلی جاتی ہیں یہ کام بیک وقت انجام پاتا ہے۔
مذکورہ بالا بیانات کی روشنی میں ہم کہتے ہیں کہ : کاغذی نوٹوں کو اصطلاحی اور وضعی کرنسی قرار دینے کے بعد یہ ضروری ہے کہ جب دو مختلف کرنسیوں کا تبادلہ کیا جائے تو ایک ہی مجلس میں دونوں پر قبضہ بھی لازمی ہے کیونکہ یہ کرنسی کی دو جنسوں کا ایسا باہمی لین دین ہے جس کو بیع صرف کے ضمن میں شمار کیا جائے گا اور بیع صرف کے صحیح ہونے کی شرط دونوں جنسوں پر فوری قبضہ ہے۔ چنانچہ جو شخص کوئی کرنسی کسی جگہ سے دوسری جگہ بذریعہ بینک بھجوانا چاہتا ہو اسے چاہئے کہ وہ نقد کرنسی پیش کرے اور دوسری کرنسی جس میں اسے

منتقل کیا جاتا ہے وہ بھی واقعتاً بینک سے نقد لے لے پھر اسے بینک کے حوالہ کردے تاکہ بینک والے یہ دوسری کرنسی اس ملک کو بھجوا دیں جہاں یہ بھجوانا چاہتا ہے۔ گویا اس صورت میں تحویل کرنسی یا کرنسی ٹرانسفر کرنے کا یہ عمل دو مرحلوں سے گزرے گا۔ پہلا مرحلہ کرنسی کے بدلے کرنسی لینے کا' اور دوسرا مرحلہ اس (دوسری) کرنسی کو اس ملک بھجوانے کا جہاں اسے بھیجا جانا مطلوب ہے۔ یہ دراصل عنصر مصارفت کو واجب کرتی ہے مگر یہ سارا عمل (Process) رقم بھجوانے والے اور درمیانی رابطہ کے بینک کے مابین عمل" ہوتا نہیں۔ بلکہ طریقہ کار یہ ہے کہ جو شخص کسی دوسرے ملک یا شہر رقم بھجوانا چاہتا ہے وہ اپنی قریبی بینک جاتا ہے اور اتنی رقم بینک کے سپرد کردیتا ہے جتنی اسے بھجوانی ہوتی ہے۔ بینک والے اسے اس رقم کی رسید اور اس کے ساتھ ایک بینک ڈرافٹ دیتے ہیں جس پر اس ملک میں واقع اس بینک کے نام امر تحویل لکھا ہوتا ہے اور جتنی رقم اس شخص نے ادا کی اس کے بدلے وہاں کی جو کرنسی بنتی ہے وہ لکھی ہوتی ہے' رقم بھجوانے والا یہ ڈرافٹ اس شخص کو بھیج دیتا ہے جس کے نام کا ڈرافٹ ہے یا جسے رقم بھیجنا مقصود ہے تاکہ وہ یہ ڈرافٹ وہاں اس بینک میں دے کر (جس کا نام اس پر درج ہے) رقم وصول کر لے۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ چیک یا ڈرافٹ پر لوگوں کا اعتماد' لین دین میں اس کی حیثیت اور لوگوں کی نظر میں اس کا مقام کاغذی کرنسی نوٹوں ہی کی طرح ہے۔ اور ان کے ذریعہ لوگوں کا آپس میں لین دین نقد و ادھار عام ہے اور تمام ملکوں کے قوانین کا انہیں تحفظ حاصل ہے یہاں تک کہ اگر کوئی ایسا چیک جاری کردیا جائے جس کے جاری کرنے والے کا بینک میں کوئی بیلنس نہ ہو جس سے ادائیگی کی جاسکے تو اسے جرم قرار دیا گیا ہے اور اس پر سخت سزا دی جاسکتی ہے اس قسم کے قوانین تمام ممالک میں رائج ہیں۔ ان اعتبارات سے اگر دیکھا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ رقم منتقل کرنے والے بینک کا کسی رقم بھجوانے والے شخص سے رقم لیکر اس کے بدلے اسے چیک یا ڈرافٹ جاری کرنا ایسا ہی ہوگا جیسے ایک ہی مجلس میں ایک کرنسی (جنس) کے بدلے دوسری جنس یا کرنسی کا لین دین کرنا ہو۔ کیونکہ چیک یا ڈرافٹ کا وصول کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ اصل رقم کا وصول کرلینا۔ گویا اس میں بیع صرف کی شرعی شرط پائی گئی جو کہ دونوں پارٹیوں کا ایک ہی وقت میں مال پہ قبضہ ہے۔

ضمیمہ خصوصی

(از :۔ مترجم)

نفع اور سود میں فرق

اللہ تعالیٰ نے انسانی ضروریات کے مطابق اشیائے صرف پیدا کی ہیں۔ مگران کی تقسیم اور توصیل کا نظام تجارت میں رکھا ہے اور تجارت میں منافع کو جائز قرار دیا ہے اور منافع یہ ہے کہ کوئی شخص آٹھ روپے کی چیز نو یا دس روپے میں فروخت کرے اور خریدنے والا یہ جانتے ہوئے بھی خرید لے کہ یہ چیز ہے تو آٹھ روپے کی مگر دوکاندار اس پر ایک دو روپے اپنی محنت کا عوضانہ یا دیگر اخراجات شامل کر کے اسے نو یا دس روپے میں بیچ رہا ہے۔ اس طرح کی خرید و فروخت اور اس طرح قیمت میں کچھ اضافہ کر کے لینا منافع کہلاتا ہے۔

جبکہ سود یہ ہے کہ ایک شخص کسی سے دس روپے ادھار لے مگر جب واپس کرے تو اسے دس کے گیارہ واپس کرنا پڑیں۔ یہاں اس ایک زائد روپے کے عوض نہ تو ادھار پر رقم دینے والے کی محنت ہے نہ اخراجات تو یہ ایک روپے کی زیادتی سود ہے۔ کیونکہ اس کے بدلے میں لینے والے کو کوئی چیز نہیں ملی گویا یہ ایک روپیہ اس وقت کی "قیمت" ہوئی جو رقم لینے اور واپس کرنے کا درمیانی عرصہ ہے اور یہ ناجائز ہے۔

کاغذی کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت

کاغذی کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں علامہ عبداللہ سلیمان المنیع تحقیق آپ نے ملاحظہ کی۔ آخر میں عصر حاضر کے ایک پاکستانی فقیہ و محقق حضرت علامہ غلام رسول سعید کی رائے بھی پیش خدمت ہے جو یقیناً اس باب میں مفید مطلب ہے۔

کاغذی کرنسی نوٹ قانونی زر یا قانونی کرنسی ہیں جسے ہم غیر محدود زر قانونی (Unlimited Legal Tender) کا نام دے سکتے ہیں۔

کرنسی نوٹوں پر زکوۃ :

اگر کسی کے پاس اتنے کاغذی کرنسی نوٹ ہوں جن کی مجموعی مالیت ساڑھ باون تولہ چاندی کے برابر بنتی ہو اور ایک سال تک اتنی رقم اس کے پاس جمع رہے تو سال گزرنے پر (دیگر شرائط کے ساتھ) اسے ان کرنسی نوٹوں پر زکوۃ ادا کرنا ہوگی۔

بینکوں میں جمع کرائی گئی رقوم پر سود :

بینک میں جو سرمایہ ہم جمع کراتے ہیں اس پر بینک ایک خاص تناسب سے کھاتہ داروں کو سود ادا کرتا ہے اور اس کی حکمت یہ بیان کی جاتی ہے کہ افراط زر سے پہنچنے والے نقصان کا ازالہ کیا جاسکے اور کرنسی کی گرتی ہوئی ساکھ کے پیش نظر کھاتہ داروں کو جو نقصان ہو سکتا ہے اس سے انہیں بچایا جائے۔

بینک اور بینکاری سے متعلق لوگ اور معاشیات کے بعض جدید مفکرین یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ربو اس خاص سود کو کہا گیا ہے جو زمانہ جاہلیت میں رائج تھا۔ کوئی غریب شخص شادی' بیماری یا کفن دفن کی کسی نجی ضرورت میں کسی مہاجن سے قرض لیتا تھا اور کسی مصیبت زدہ شخص کی مدد کرنے کے بجائے اس سے قرض پر سود لینا بے شک ظلم اور سنگ دلی ہے اسی وجہ سے قرآن مجید میں اس سود کو حرام کیا گیا ہے لیکن آج کل کا مروجہ سود اس سے بالکل مختلف ہے آج کل بینکوں سے غریب اور مصیبت زدہ شخص قرض نہیں لیتے بلکہ متمول اور سرمایہ دار تاجر اور صنعتکار قرض لیتے ہیں اور ان سے قرض کی رقم پر بینک جو سود وصول کرتا ہے وہ ان پر کوئی ظلم نہیں ہے کیونکہ اگر وہ بینک کو چودہ فیصد سود ادا کرتے ہیں تو خود قرض کی رقم سے وہ ساٹھ ستر فیصد تک کماتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بینک سے قرض لے کر ایک کارخانہ لگاتے ہیں اور اس کارخانے سے پھر دوسرا کارخانہ اور تیسر کارخانہ لگ جاتا ہے۔ اس

طرح تاجروں کی تجارت میں اضافہ ہوجاتا ہے اس لئے اگر بینک کو وہ چودہ فیصد سود دیتے ہیں تو ان پر یہ کوئی بوجھ نہیں ہے اور بینک میں روپیہ عام لوگوں کا جمع کیا ہوا ہوتا ہے اس لئے اگر بینک عام لوگوں کو ساتھ آٹھ فیصد سود ادا کرے تو بینک پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا' سرمایہ دار اور بینک دونوں خوشی سے سود ادا کرتے ہیں۔ کسی پر ظلم نہیں ہے اور چونکہ بینکوں میں عموماً غریب اور متوسط لوگ اپنی فاضل بچت کی رقمیں جمع کراتے ہیں تو سود کے ذریعہ ان کو سات فیصد سالانہ کا فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔ غرضیکہ زمانہ جاہلیت کا ربا غریبوں سے سود لیتا تھا اور اس زمانہ کی ترقیاتی بینکوں کے ذریعہ غریبوں کو سود دیتی ہے۔ وہ ربا غرباء پر ظلم تھا اور یہ غریبوں کی خوشحالی اور مال کی ترقی کا سبب ہے اس لئے شخصی اور نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ناجائز ہونا چاہئے اور تجارتی قرضوں پر بینک کا سود جائز ہونا چاہئے۔

بینک کے سود جائز ہونے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ افراط زر کی وجہ سے روپے کی قدر (Value) دن بدن گرتی جارہی ہے اور اجناس کی قیمت بڑھتی جارہی ہے۔ اب سے بائیس سال پہلے (۱۹۶۶ء میں) سونا' ایک سو روپیہ تولہ تھا' اصلی دیسی گھی پانچ روپیہ کلو' ڈالڈا دو روپیہ کلو' دیسی انڈا دو آنے' تنوری روٹی ایک آنے کی' دودھ آٹھ آنے کلو اور ڈاک کا لفافہ چھ پیسے (ڈیڑھ آنے کا) ملتا تھا اور اب (۱۹۸۸ء میں) سونا تین ہزار روپیہ تولہ' دیسی گھی ساٹھ ستر روپیہ کلو' ڈالڈا گھی اٹھارہ روپیہ کلو' دیسی انڈا دو روپیہ کا' تنوری روٹی ایک روپیہ کی' دودھ آٹھ روپیہ کلو اور ڈاک کا لفافہ اسی پیسے کا ہوگیا ہے۔ اس تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیس سال میں روپیہ کی قدر بارہ سے لے کر تیس گنا (بارہ سو فیصد سے لے کر تین ہزار فی صد تک) گر گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے بائیس سال پہلے بینک میں سو روپیہ رکھوایا تھا اب اس کی قیمت ساتھ آٹھ روپیہ رہ گئی ہے اور اگر سونے کے بھاؤ سے تناسب کیا جائے تو اب ایک سو روپیہ سوا تین روپے کا رہ گیا ہے اگر اس سو روپیہ پر سال بہ سال' بینک کا سود لگتا رہتا تو اس کی ساکھ کسی حد تک بحال رہتی اور جو لوگ بینک میں اپنی فاضل بچتوں کو جمع کراتے ہیں ان کا نقصان نہ ہوتا اس لئے بینک کا سود جائز ہونا چاہئے۔

مجوزین سود کے دلائل کے جوابات :

اس سلسلہ میں پہلے یہ بات جان لینی چاہئے کہ قرآن مجید نے مطلقاً سود کو حرام کیا ہے' خواہ نجی ضروریات کے قرضوں پر سود ہو یا تجارتی قرضوں پر سود ہو' خواہ اس سود سے غریبوں کو نقصان ہو یا فائدہ' اللہ تعالیٰ نے امارت اور غربت کا فرق کئے بغیر سود کو علی الاطلاق حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے=

احل اللہ البیع وحرم الربو (بقرہ = ۲۷۵)

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اتقو اللہ و ذروا ما بقی من الربو ان کنتم مومنین ۚ فان لم تفعلو فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ (بقرہ = ۲۷۸ ـ ۲۷۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو (زمانہ جاہلیت کا) باقی ماندہ سود چھوڑ دو۔ اور اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود کو مطلقاً حرام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سود مفرد کو بھی حرام کیا ہے اور لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَۃ (آل عمران = ۱۳۰) "دگنا چوگنا سود نہ کھاؤ" فرما کر سود مرکب کو بھی حرام کیا ہے اور ہر جگہ مطلقاً سود کو حرام کیا ہے اور اور نجی اور کاروباری قرضوں کا فرق نہیں کیا۔ علاوہ ازیں تاریخ اور حدیث سے ثابت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں کاروباری قرضوں پر سود لینے کا بھی عام رواج تھا۔

ابن جریر "وَذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰو" کی تفسیر میں لکھتے ہیں = کَانَ رِبًا یَتَبَایَعُوْنَ بِہٖ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ۔
یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ زمانہ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

علامہ سیوطی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں =

اخرج ابن جریر و ابن ابی حاتم عن السدی قال نزلت ھذہ الایۃ فی العباس بن عبدالمطلب و رجل من بنی المغیرہ کانا شریکین فی الجاھلیۃ یسلفان فی الربا الی ناس من ثقیف من بنی ضمرۃ وھم بنو عمرو بن عمیر فجاء الاسلام ولھما اموال عظیمۃ فی الربا

امام ابن جریر اور امام ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ سدی سے یہ روایت بیان کی ہے کہ یہ آیت حضرت عباس بن عبدالمطلب اور بنو مغیرہ کے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ یہ دونوں زمانہ جاہلیت میں شریک تھے اور انہوں نے ثقیف کے بنو عمرو بن عمیر میں لوگوں کو سودی قرض پر مال دے رکھے تھے۔ جب اسلام آیا تو ان دونوں کا بڑا سرمایہ سود میں لگا ہوا تھا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں بڑے بڑے تاجر خوردہ فروشوں کے ہاتھ ادھار پر مال فروخت کرتے تھے اور اس پر سود لگاتے تھے اور اس سے واضح ہو گیا کہ زمانہ جاہلیت میں کاروباری اور تجارتی قرضوں پر سود لگانے کا عام رواج تھا اور اس کو الربو کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید نے عموم کے صیغہ سے سود کی ممانعت کی ہے خواہ وہ سود نجی قرضوں پر ہو یا تجارتی قرضوں پر۔

رہا دوسرا اعتراض کہ بینک کے سود کے ناجائز قرار دینے کی بناء پر افراط زر کی وجہ سے روپیہ کی قدر گر جاتی ہے اور اگر بینک سے سود نہ لیا جائے تو بائیس سال میں بینک میں رکھوایا ہوا ایک سو روپیہ سوا تین روپے کا رہ جائے گا۔

اور یہ نقصان بینک سے سود نہ لینے کی وجہ سے ہے' اس کا ایک جواب یہ ہے کہ مسلمان ہونے کے ناطے سے ہمارا ایمان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے اور اس کے منع کردہ کام سے بچنے کی وجہ سے اگر ہمیں کوئی مادی نقصان ہوتا ہے تو ہمیں اس کو خوشی سے گوارا کرنا چاہئے۔ مسلمان کے نزدیک نفع اور نقصان کا معیار دنیاوی اور مادی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اخروی اور معنوی اعتبار سے ہے۔ دنیاوی اور مادی اعتبار سے تو زکوٰۃ' قربانی اور حج کے لئے زر کثیر خرچ کرنا بھی مال کا ضیاع اور نقصان ہے تو کیا اس مادی نقطہ نظر سے ان تمام مالی عبادات کو خیرباد کہہ دیا جائے گا؟ اور جب مسلمان مالی عبادات کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں تو سود کھا کر اللہ اور رسول سے اعلان جنگ کے لئے کیسے تیار ہوسکتے ہیں؟ ایک سچے مسلمان کے نزدیک سود چھوڑنے کی وجہ سے روپے کی قدر کا کم ہوجانا خسارہ نہیں ہے بلکہ **اصل خسارہ** یہ ہے کہ سود لینے کی وجہ سے آخرت برباد ہوجائے!

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ نقصان دراصل ہماری ایک اجتماعی تقصیر کی سزا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم نے اسلامی طریقہ مضاربت کو رواج نہیں دیا' کرنا یہ چاہئے کہ لوگ اپنے روپے کو بینک کی معرفت کاروبار میں لگائیں اور بینک ان کا روپیہ "امانت" رکھنے کی بجائے ان سے ایک عام شراکت نامہ طے کرے اور ایسے تمام اموال کو مختلف قسم کے تجارتی' صنعتی زراعتی یا دوسرے ان جائز کاروبار میں جو بینک کے دائرہ عمل میں آسکتے ہوں لگائے اور اس مجموعی کاروبار سے جو منافع حاصل ہو اسے ایک طے شدہ نسبت کے ساتھ ان لوگوں میں اسی طرح تقسیم کردے جس طرح خود بینک کے حصہ داروں میں منافع تقسیم ہوتا ہے۔

افراط زر کی صورت میں اصل زر کو بحال رکھنے کا ایک عمل:۔

اس سوال کا تیسرا جواب یہ ہے کہ بینک میں لوگ جو پیسے امانتہ" جمع کراتے ہیں ان پیسوں میں سے بینک کو خرچ کرنے کی اجازت ہوتی ہے اس طرح یہ پیسے بینک پر قرض ہوجاتے ہیں اور اگر قرض میں پہلے یہ طے کرلیا جائے کہ لین دین میں معیار سونا ہوگا' **مثلاً**" ایک شخص تین ہزار روپیہ قرض دے رہا ہے اور فرض کیجئے اس وقت ایک ہزار روپیہ تولہ سونا ہے اس لے وہ بینک پر واضح کردے کہ وہ بینک کو تین تولہ سونا قرض دے رہا ہے اور جب وہ اس سے واپس لے گا تو تین تولہ سونا یا اس کے مساوی کرنسی نوٹ لے گا اب اگر وہ پانچ چھ سال بعد اپنا قرض واپس لیتا ہے اور اس وقت سونا تین ہزار روپیہ تولہ ہے تو وہ تین تولہ سونا یا اس کے مساوی نو ہزار روپیہ لینے کا مجاز ہوگا۔ اس طرح افراط زر کی صورت میں بھی قرض دہندہ کا اصل زر محفوظ رہے گا۔ میں نے اس جواب میں جو تجویز پیش کی ہے یہ آخری اور حتمی نہیں ہے۔ اہل علم حضرات کو اس پیچیدہ مسئلہ پر غور کرنا چاہئے چونکہ شریعت میں ثمن اصلی سونا اور چاندی ہیں

اس لئے قرض اور بینک کے فکسڈ ڈیپازٹ میں روپیہ دیتے وقت اعتبار سونے یا چاندی کے وزن کا کیا جائے اور وصولیابی کے وقت اتنا ہی سونا یا چاندی یا اس کے مساوی کرنسی نوٹ لے لئے جائیں تو اس سے سود بھی لازم نہیں آئے گا اور لوگ افراط زر کے استحصال سے بھی محفوظ رہیں گے۔ اہل علم اور اصحاب فقہ حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اس بنیاد پر غور کریں اگر علماء نے اس چیز پر اتفاق کرلیا تو بہت سے مسئلے حل ہوجائیں گے۔

اس تجوزی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو **مثلاً** ایک ہزار روپیہ قرض دیتا ہے تو مقروض پر بعینہٖ وہی نوٹ دینے لازم نہیں ہیں اور اگر بالفرض وہ نوٹ گورنمنٹ منسوخ کردے اور مقروض وہی منسوخ نوٹ واپس کرے تو یہ شرعاً اور قانوناً جائز نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصل اعتبار نوٹ کا نہیں قوت خرید کا ہے اور ثمن اصلی چونکہ سونا اور چاندی ہے اس لئے قوت خرید میں اسی کو معیار بنانا چاہیے' فتدبر(۸۶)

تشریح اصطلاحات

(از :۔ مترجم)

اثمان : ثمن کی جمع' بمعنی قیمتیں یا نقدیاں۔ اس سے مراد ایسی اشیاء جو کسی دوسری اشیاء کو خریدنے کی صلاحیت رکھتی ہوں یا جن کے بدلے دوسری اشیاء خریدی جاسکیں عرف عام میں اثمان سے مراد کرنسیاں ہیں یا کرنسی کا سا کردار (Role) ادا کرنے والی اشیاء' معدنیات جیسے سونا چاندی یا اوراق جیسے کرنسی نوٹ وغیرہ۔

اعیان : عین کی جمع بمعنی کسی چیز کا اصل۔

اموال ربویہ : ایسے اموال جن پر سود کے احکام لاگو ہوتے ہوں۔

بیع : ایک چیز کو دوسری چیز سے تبادلہ کرنے کو بیع کہتے ہیں بیع کی یہ تعریف لغت کے اعتبار سے ہے اور فقہی معنوں میں بیع سے مراد خرید و فروخت کا ایک ایسا معاملہ یا سودا جس میں باہمی رضا مندی سے کسی کو ایک چیز دے کر اس کے بدلے کوئی دوسری چیز حاصل کی جائے۔ بیع کی ایک اور تعریف یہ ہے کہ "مال کے بدلے مال کا تبادلہ" (فقہ علی مذاہب اربعہ ۲۹۱' ج ۲) یا قیمت کے بدلے مال کا تبادلہ

بیع تعاطی : بیع تعاطی یہ ہے کہ خریدار بیچنے والے کو کسی چیز کی قیمت ادا کرے اور بیچنے والا خریدار کو وہ چیز دے دے۔ بیع تعاطی کا دارومدار بائع اور مشتری کی باہمی رضا مندی پر ہے عام اشیاء میں اس طرح سے خرید و فروخت ہوتی ہے۔

بیع سلم : بیع سلم کے معنی ہیں نقد رقم کے بدلے کوئی چیز ادھار دینے کا سودا کرنا۔ جیسے کوئی شخص رقم تو نقد وصول کرلے اور یہ کہے کہ اس کے بدلے گندم یا آٹا میں آپ کو دو ماہ بعد دوں

گا۔ بیع سلم چند شرائط کے ساتھ جائز ہے۔
بیع صرف : مال کو مال کے بدلے بیچنا جیسے سونے کو سونے کے بدلے یا سونے کو چاندی کے بدلے۔
بیع عینہ : بیع عینہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو ایک چیز ایک مدت مقررہ کے ادھار پر فروخت کرے پھر وہی چیز بیچنے والا خریدار سے اس قیمت سے کم پر خود ہی خریدے جتنے پر اس نے اسے بیچی تھی۔ یہ بیع ہمارے فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔
ثمن : قیمت' کبھی بمعنی نقدی استعمال ہوتا ہے۔
دین : قرض
ربا : سود یا اصل مال پر ایسا اضافہ جو بغیر کسی مقابل کے ہو۔ لغت میں ربا کے معنی زیادتی' بلندی اور بڑھوتی کے ہیں۔
رباء الفضل : ایک ہی جنس کی اشیاء کا ایسا دست بدست لین دین جس میں زیادتی پائی جائے مثلاً" ایک کلو گرام گندم کی ڈیڑھ کلو گندم کے عوض خرید و فروخت۔
رباء النسیئہ : کسی چیز کو اس طرح ادھار بیچنا کہ ادائیگی کی مدت مقرر ہو اور اس مدت کی وجہ سے چیز کی قیمت اصل قیمت سے زائد رکھی جائے۔ مثلاً" ایک چیز نقد تو سو روپے میں مل رہی ہے مگر وہی چیز وہی دوکاندار ادھار پر ڈیڑھ سو کی فروخت کرتا ہے۔
زر بضاعتی : ایسا سرمایہ جو سامان کی شکل میں ہو۔
زر معدنی : ایسی کرنسی یا ایسا سرمایہ جو معدنیات (دھاتوں) کی شکل میں ہو' جیسے سونا یا چاندی یا تانبا' پیتل جست وغیرہ۔
سندات دین : قرض کی رسیدیں۔
عرایا : یہ عریہ کی جمع ہے جس کے معنی خالی ہونے کے ہیں۔ عرایا یہ ہے کہ کوئی باغ والا باغ میں موجود درختوں پہ لگے ہوئے پھلوں کا اندازہ کرکے کسی اور چیز کے بدلے میں فروخت کردے۔ مثلاً" کوئی شخص اپنے باغ میں موجود کھجور کے درختوں پر لگی ہوئی کھجوریں اندازہ کر کے کسی کو اس طرح فروخت کرے کہ اس سے ان کے بدلے چھوہارے خریدنے کا سودا کرے تو یہ بیع عرایا ہے۔ لسان العرب میں عریہ کے معنی ہبہ کرنے کے بھی آئے ہیں۔ یعنی کوئی چیز کسی کو یونہی دے دینا۔
عروض : سامان' عرض کی جمع ہے۔
علت : سبب یا دلیل۔
علت ربا : سود کا سبب۔
فلوس : سکے' فلس کی جمع ہے اور فلس ریزگاری کی ایک اکائی ہے۔ (Coins)

فلوس نافقہ : مروجہ سکے۔
متفرع : کسی چیز سے الگ ہونے والی نکلنے والی یا اس کی ایک برانچ، شاخ یا جزو و حصہ۔
مجلس عقد : ایسی ملاقات یا نشست جس میں دو فریقوں کے مابین کوئی سودا یا معاہدہ تجارت طے پائے۔
مستندات : ایسے کاغذات جن کی کوئی قانونی حیثیت ہو۔
موزونی : ایسی اشیاء جن کا لین دین ماپ کر کیا جاتا ہے۔
نساء : ادھار۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ج ف کراوذر' الموجز فی اقتصادیات النقود' ترجمہ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال فاید' مطبعہ الاعتماد مصر' ص ۲۳۔ ۲۴

۲۔ ابن تیمیہ' مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ' مطبعہ الریاض' ج ۱۹' ص ۲۵۱

۳۔ ج ف کراوذر' الموجز فی اقتصادیات النقود' ترجمہ ڈاکٹر مصطفیٰ کمال فاید' ص ۱۶

۴۔ ایضاً" ص ۱۸' ۱۹

۵۔ ایضاً" ص ۲۰

۶۔ ایضاً" ص ۳۰۸

۷۔ الاستاذ وھیب مسیحہ' قصتہ النقود' مطبعہ السعادہ مصر' ص ۸۸' ۸۹

۸۔ ج ف کراوذر' الموجز' ص ۶' ۷

۹۔ استاذ محمد سعید العربی' استاذ جامعہ ملک سعود لیکچر غیر مطبوع بحوالہ کونانث

۱۰۔ ایضاً"

۱۱۔ ایضاً"

۱۲۔ ایضاً"

۱۳۔ سید احمد الحسینی' بہجہ المشتاق فی بیان حکم زکاۃ اموال الاوراق' مطبعہ کردستان العلمیہ مصر' ص ۶۸ ۔ ۷۱

۱۴۔ سورت الحج : آیت نمبر ۷۸

۱۵۔ سورت البقرہ : آیت نمبر ۱۸۵

۱۶۔ سورت النساء : آیت نمبر ۲۸

۱۷۔ سورت البقرہ : آیت نمبر ۲۸۶

۱۸۔ شیخ احمد الخطیب' اقناع النفوس باطاق اوراق الانوات بعملہ الفلوس' مطبعہ الاھلیہ بیروت' ص ۲۰' ۲۱

۱۹۔ ایضاً" ص ۱۵

۲۰۔ شیخ عبدالرحمن السعدی' فتاویٰ السعدیہ' مطبعہ دارالحیاۃ دمشق' ص ۳۱۸۔ ۳۲۹

۲۱۔ شیخ احمد الخطیب' اقناع النفوس' ص ۲۹

۲۲۔ فلوس : فلس کی جمع ہے اور اس کا تلفظ عرض اور عروض کی طرح ہے یعنی پہلے حرف (ف) پر زبر پڑھا جائے گا۔ اس سے مراد لازمی طور پر پیتل یا تانبہ کا سکہ نہیں۔ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اصل میں یونانی لفظ "فولیس" سے بنا ہے۔ لیکن غالباً" یہ آرامی یا عبری زبان سے آیا ہے اور آغاز اسلام ہی سے اس سے

مراد ایک تانبہ یا پیتل کا سکہ لیا جاتا ہے' عربوں نے بیزنطینیوں سے نہایت مجبوری کے عالم میں اس کا وزن لیا۔ مگر عربی سکوں کا وزن شیشے کے مخصوص باٹ سے کیا جاتا تھا جس کی مقدار خراریب یا قراریط میں ہوتی تھی۔ یعنی ایک خروبہ کا وزن ۰۱۹۴ء گرام جبکہ فلس اور دینار کے مابین وزن کا تناسب ۴۸ : ا کا تھا یہ اوائل عہد اسلامی کی بات ہے۔

۲۳۔ شیخ احمد الخطیب' اقناع النفوس' ص ۴۸

۲۴۔ شرح المنتھی (فقہ حنبلی)' مطبعہ انصار السنہ المحمدیہ' مصر' ج ۲' ص ۱۹۴

۲۵۔ ایضاً" جزء ۳' ص ۲۰۶

۲۶۔ کشاف القناع' مطبعہ انصار السنہ المحمدیہ مصر' ص ۲۰۵

۲۷۔ الکشاف' جز ۲' ص ۲۱۲

۲۸۔ الفاہاشم القوتی المدنی' امتاع الاحداق والنفوس بمطالعہ احکام اوراق الفلوس' مطبعہ' الانصاف' بیروت' ص ۲۸'۲۹'۳۰'۳۴

۲۹۔ الفروع وتصحیحہ' مطبعہ المنار مصر' ج ۲' ص ۵۴۸

۳۰۔ ایضاً" ج ۲' ص ۵۴۶

۳۱۔ الروض المربع' مطبعہ انصار السنہ المحمدیہ مصر' جز ثانی' ص ۱۱۷

۳۲۔ ابن القیم' اعلام الموقین' مطبعہ السعادۃ مصر' (طبع دوم) جز ۲' ص ۱۳۷

۳۳۔ ابن تیمیہ' مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ' مطابع الریاض' جزء ۲۹' ص ۴۶۸

۳۴۔ ایضاً" جزء ۲۹' ص ۴۷۱

۳۵۔ محمد علی بن الحسین' شمس الاشراق فی حکم التعامل بالاوراق' داراحیاء الکتب العربیہ مصر' ص ۵۷' ۵۸

۳۶۔ الفاہاشم القوتی المدنی' امتاع الاحداق' ص ۲۷

۳۷۔ سورۃ یونس : آیت ۵۹

۳۸۔ ابن القیم' اعلام الموقعین' جزء اول' ص ۳۹۔۴۰

۳۹۔ محمد علی بن الحسین' شمس الاشراق' ص ۶۷

۴۰۔ الشیخ الفاہاشم القوتی' امتاع الاحداق' ص ۳۲

۴۱۔ الکاسانی' البدائع الصنائع' مطبعہ الجمالیہ مصر' جزء ۵' ص ۱۸۵

۴۲۔ الامدی' احکام الاحکام' مطبعہ محمد علی صبیح' مصر' جزء ۳' ص ۱۲

۴۳۔ علی حسب اللہ' اصول التشریع الاسلامی' دارالمعارف مصر (طبع سوم) ص ۱۲۲

۴۴۔ مسودہ آل تیمیہ' مطبعہ المدنی مصر' ص ۳۷۷

۴۵۔ ابن القیم' اعلام الموقعین' جزء ثانی' ص ۱۳۷

۴۶۔ محمد رشید رضا' یسر الاسلام واصول التشریع العام' مطبعہ المنار' مصر' ص ۶۳
۴۷۔ الامام الغزالی' المستصفی' مطبعہ مصطفیٰ محمد مصر' جزء ثانی ص ۵۷
۴۸۔ ایضاً'' جزء ثانی' ص ۹۳
۴۹۔ ڈاکٹر سعید رمضان' ضوابط المصلحۃ فی الشریعہ الاسلامیہ' مطبعہ العلم دمشق' ص ۹۲
۵۰۔ ابن قدامہ حنبلی' روضتہ الناظر' مطبعہ سلفیتہ مصر' جز ثانی ص ۳۱۳
۵۱۔ ابن تیمیہ' مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ' مطابع الریاض' جزء ۲۹' ص ۴۷۴٬۴۷۳
۵۲۔ ابن قدامہ حنبلی المغنی' مطبعہ المنار مصر' (طبع سوم) جزء ۴' ص ۴
۵۳۔ ابن تیمیہ' مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ' جزء ۲۹' ص ۴۷۱
۵۴۔ ابن القیم' اعلام الموقعین' جزء ثانی' ص ۱۳۷
۵۵۔ الکاسانی' البدائع الصنائع' جزء ۵' ص ۱۸۶
۵۶۔ امام نووی' المجموع شرح المھزب' مطبعہ العاصمہ' مصر' جزء ۹' ص ۴۴۵
۵۷۔ ابن القیم' اعلام الموقعین' جزء ۲' ص ۱۴۰۔۱۴۱
۵۸۔ ایضاً'' جزء ۲' ص ۱۴۲
۵۹۔ ابن تیمیہ' مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ' جزء ۲۹' ص ۴۵۳
۶۰۔ اسی طرح چھپا ہے شاید عبارت یوں ہو ''باع ذھبا بذھب مثلہ وزیادہ وخرز''
۶۱۔ ابن حجر عسقلانی' تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر' شرکہ طباعہ الفنیہ القاہرہ' جزء ۳' ص ۹
۶۲۔ مفتی عبداللطیف رحمانی' شرح جامعہ الترمذی' مخطوط' اس کا ایک نسخہ شاہ فیصل مرحوم کو پیش کیا گیا تھا تاکہ وہ اس کی طباعت کا اہتمام کرادیں۔ شاہ فیصل نے یہ نسخہ دارالافتاء کو رائے کے لئے بھیجا۔ دارالفتاء میں مجھے (عبداللہ سلیمان المنیع) اسے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔
۶۳۔ ابن کثیر' الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث' مطبعہ محمد علی صبیح مصر' ص ۶۱
۶۴۔ ابن حجر' ھدی الساری مقدمہ فتح الباری' مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر' جزء ۲' ص ۱۱۱
۶۵۔ ابن تیمیہ' مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ' جزء ۱۹' ص ۲۴۸
۶۶۔ ابن القیم' اعلام الموقعین' جزء ۲' ص ۱۴۰
۶۷۔ ایضاً'' ج ۲' ص ۱۳۷
۶۸۔ کشاف القناع' جزء ۳' ص ۲۰۵
۶۹۔ السبکی' تکملہ مجموع النووی' مطبعہ الامام مصر' جزء ۱۰' ص ۲۲
۷۰۔ الکاسانی' بدائع الصنائع' جزء ۵' ص ۱۸۳
۷۱۔ السبکی' تکملہ مجموع النووی' جزء ۱۰' ص ۲۱

۷۲۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ص ۳۴۹
۷۳۔ سورۃ البقرہ : آیت ۲۷۸، ۲۷۹
۷۴۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ص ۳۴۹
۷۵۔ ابن القیم، الاعلام، جزء ۲، ص ۱۳۷، ۱۳۸
۷۶۔ تفسیر المنار، (بحوالہ امام غزالی احیاء علوم الدین)، طبع دار المنار مصر، (طبع چہارم) جزء ۳، ص ۱۱۰، ۱۱۲
۷۷۔ الامدی، احکام الاحکام، جزء ۳، ص ۱۲
۷۸۔ ابن القیم، مفتاح دار السعادہ، طبع دار العہد الجدید مصر، جزء ۲، ص ۲۲
۷۹۔ بدران ابو العینین، اول الفقہ، دار المعارف مصر، ص ۲۶۰، ۲۶۲
۸۰۔ محمد رشید رضا، یسر الاسلام و اصول التشریع، ص ۶۱
۸۲۔ ایضاً، ص ۱۰۷
۸۳۔ ایضاً، ص ۱۱۸
۸۴۔ ڈاکٹر محمد فہمی لہیطہ و محمد حمزہ علیش، النقود والائتمان، ص ۳۱
۸۵۔ وہبیت مسیحہ، قصہ النقود، ص ۹۱
۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی، شرح صحیح مسلم، ج ۴، ص ۳۴۷ تا ۳۵۰

مراجع و مصادر

التفسیر

۱۔ الجامع لاحکام القرآن للقرطبی
۲۔ اضواء البیان للشنقیطی
۳۔ تفسیر المنار لرشید رضا
۴۔ تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر

الحدیث

۱۔ صحیح البخاری
۲۔ صحیح مسلم
۳۔ مسند الامام احمد
۴۔ سنن الترمذی
۵۔ المنتقی للمجد
۶۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر
۷۔ شرح صحیح مسلم للنووی
۸۔ نیل الاوطار شرح المنتقی للشوکانی
۹۔ ھدی الساری مقدمہ فتح الباری شرح صحیح البخاری لابن حجر
۱۰۔ تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر للعسقلانی
۱۱۔ نیل المرام
۱۲۔ سبل السلام شرح نیل المرام للصنعانی
۱۳۔ شرح جامع الترمذی للشیخ عبداللطیف الرحمانی (مخطوط)

اصول فقہ

۱۔ روضۃ الناظر لابن قدامہ
۲۔ احکام الاحکام للآمدی
۳۔ المستصفی للغزالی

۴۔ الموافقات للشاطبی
۵۔ ضوابط المصلحہ فی الشریعہ الاسلامیہ للدکتور سعید رمضان البوطی
۶۔ اصول التشریع الاسلامی للاستاذ علی حسب اللہ
۷۔ مسودۃ آل تیمیہ
۸۔ مفتاح دار السعادۃ لابن القیم
۹۔ الفروق للقرافی
۱۰۔ اصول الفقہ للاستاذ بدران ابو العینین
۱۱۔ الرسالہ لامام الشافعی

فقہ حنبلی

۱۔ المغنی علی مختصر الخرقی لابن قدامہ والشرح الکبیر علی متن المقنع' لعبدالرحمٰن بن قدامہ
۲۔ کشاف القناع عن متن الاقناع للبہوتی
۳۔ شرح منتہی الارادات للبہوتی
۴۔ الفروع لابن مفلح
۵۔ تصحیح الفروع لعلاء الدین المقدسی
۶۔ الروض المربع للبہوتی و حاشیتہ للعنقری
۷۔ المقنع لابن قدامہ و حاشیتہ للشیخ سلیمان بن الشیخ عبداللہ بن الشیخ محمد بن عبدالوہاب
۸۔ الانصاف للمرداوی

فقہ شافعی

۱۔ المجموع شرح المہذب للنووی و تکملتاہ للسبکی والمطیعی
۲۔ الاحکام السلطانیہ للماوردی
۳۔ الام للشافعی
۴۔ الوجیز للغزالی و شرحہ فتح العزیز للرافعی

فقہ مالکی

۱۔ مدونہ الامام مالک
۲۔ المنتقی شرح الموطا للباجی
۳۔ احکام القرآن لابن العربی
۴۔ فتح العلی المالک۔ فتاوی علیش
۵۔ حاشیہ العدوی علی شرح الخرشی علی مختصر خلیل

فقہ حنفی

۱۔ المبسوط للسرخسی
۲۔ بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع للکاسانی
۳۔ حاشیہ ابن عابدین علی الدر المختار
۴۔ تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للزیلعی

دیگر کتب فقہ

۱۔ مجموع فتاوی شیخ الاسلام ابن تیمیہ جمع ابن قاسم طبع مطابع الریاض
۲۔ اعلام الموقعین عن رب العالمین لابن القیم
۳۔ الفتاوی السعدیہ للشیخ عبدالرحمن بن سعدی
۴۔ الاموال لابی عبید
۵۔ الاختیارات الفقہیہ للبعلی
۶۔ الطرق الحکمیہ لابن القیم
۷۔ المحلی لابن حزم
۸۔ نظریہ الربا المحرم فی الشریعہ الاسلامیہ للاستاذ ابراہیم بدوی
۹۔ الربا للاستاذ المودودی
۱۰۔ القول المنقح المضبوط فی جواز التعامل ووجوب الزکاۃ فیما یتعلق بورق النوط للشیخ ابی بکر شطا
۱۱۔ امتاع الاحداق والنفوس فی مطالعہ احکام اوراق الفلوس للشیخ الفا ہاشم الفوتی المدنی

۱۲۔ بهجه المشتاق فی بیان حکم زکاۃ اموال الاوراق للسید احمد الحسینی
۱۳۔ اقناع النفوس بالحاق اوراق الانوات بعمنه الفلوس للشیخ احمد الخطیب
۱۴۔ رفع الالتباس عن حکم الانواط المتعامل بها بین الناس للشیخ احمد الخطیب
۱۵۔ شمس الاشراق فی حکم التعامل للشیخ محمد علی حسین
۱۶۔ یسر الاسلام واصول التشریع للاستاذ محمد رشید رضا
۱۷۔ الموسوعه الفقهیه الکویتیه

اقتصادیات ولغت

۱۔ الموجز فی اقتصادیات النقود للاستاذ ج ف کراوذ ترجمه الدکتور مصطفی کمال فاید
۲۔ مبادیء الاقتصاد السیاسی قسم النقود والبنوک للدکتورین رفعت محجوب و عاطف صلیقی
۳۔ قصه النقود للاستاذ وهیب مسیحه
۴۔ النقود والائتمان للدکتورین محمد لهیطه و محمد علیش
۵۔ الموسوعه العربیه المیسرة
۶۔ محاضرات للاستاذ محمد سعید العربی القاها علی طلابه فی کلیه التجارة بجامعه الملک سعود بالریاض
۷۔ القاموس المحیط للفیروز آبادی
۸۔ اساس البلاغه للزمخشری
۹۔ مختار الصحاح للرازی
۱۰۔ رحله ابن بطوطه

اخبارات و جرائد

۱۔ التجارة والصناعه مجله شهریه تصدر عن الغرفه التجاریه الصناعیه بمکه
۲۔ مجموعه فتاوی فی حکم الاوراق النقدیه جری نشرها فی مجله الازہر فی سنواتها الاولی
۳۔ رساله فی الاوراق النقدیه للشیخ عبدالرحمٰن بن سعید جری نشرها

لفضیلتہ فی جریدۃ حراء بتاریخ ۲۸ و ۲۹ جمادی الاولی و ا من جمادی الآخرۃ عام ۱۳۷۸ھ

۴۔ بحث للشیخ یحیی امان فی الورق النقدی جری نشرہ فی جریدۃ حراء فی ۲۷ و ۲۸ من جمادی الاخرۃ عام ۱۳۷۸ھ

دنیا بھر میں پہلی اور منفرد ضخیم کتاب
موضوع کے اعتبار سے

تاریخ نفاذِ حدود

حدِ زنا — حدِ قذف — حدِ حرابہ
حدِ سرقہ — حدِ شربِ خمر

تصنیف و تحقیق
نور احمد شاہتاز

انشاء اللہ عنقریب منظرِ عام پر آرہی ہے

قابلِ فخر طباعت' دیدہ زیب اشاعت'

ناشر فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار کراچی

زیر نظر کتاب فقہ جدید پر لکھی جانے والی عصر نو کی کتابوں میں ایک گرانقدر تحقیقی کاوش کا اضافہ ہے۔ اس کتاب میں کرنسی کے حوالہ سے نہایت مفید مطلب مباحث پیش کئے گئے ہیں۔ شرعی مسائل کے علاوہ اس کتاب میں درج ذیل سوالوں کا جواب ہے۔

- دھاتی سکوں اور کاغذی کرنسی سے قبل لین دین کس طرح ہوتا تھا؟
- موجودہ کرنسی کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کا ارتقاء کیسے ہوا؟
- کیا کاغذی کرنسی محض کاغذ کے چند پرزوں کا نام ہے۔ یا ان کے پیچھے کوئی اصل زر موجود ہے؟
- زر اعتباری و زر قانونی کیا ہے؟
- کرنسی نوٹوں پر درج اس عبارت کی کیا حیثیت ہے کہ

  "بینک دولت حامل حذا کو مطالبہ پر مبلغ .... روپے ادا کرے گا"
- کیا کرنسی نوٹ خود کرنسی ہیں یا اسٹیٹ بینک میں موجود اصل سرمایہ کی رسیدیں؟
- کیا واقعی کرنسی نوٹوں کے پیچھے کوئی اصل زر بنکوں میں محفوظ ہوتا ہے؟
- کرنسی نوٹوں پر سود لاگو ہوتا ہے یا نہیں؟
- کرنسی نوٹوں پر زکوۃ کا کیا حکم ہے؟
- مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ کمی بیشی سے جائز ہے یا نہیں؟

عرب دنیا میں شائع ہونے والی کتاب پاکستان میں پہلی بار اردو کے قالب میں دستیاب

ناشر

فضلی سنز۔ (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ کراچی

ISBN 969-441-035-5

Rs. 80/=